رسائل کاظمی

از قلم

صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ العالی

ناشر

بزم سعید جامعہ انوار العلوم نیو بلاک نیو ملتان

فون: 560699

© www.arshadsaeedkazmi.com

نام کتاب ———— رسائل کاظمی

مصنف ———— حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی

بار ———— دوم

تعداد ———— ۱۰۰۰

کل صفحات ———— ۱۲۰

قیمت ———— [illegible] روپے

مطبع ———— ملتان

تاریخ اشاعت ———— رمضان المبارک [illegible]ھ

بزم سعید جامعہ انوار العلوم نیو بلاک نیو ملتان

© www.arshadsaeedkazmi.com

فہرست

زیاراتِ تبریز	۵
ہجرت	۳۱
تسکینِ دل	۴۰
میلاد، شبِ برأت، شبِ معراج	۶۳
تقریر و تحریر حصّہ اوّل	۸۰
حصّہ دوم	۱۱۵
اصلاح الرسوم	۱۲۰
توحید کی صدا	۱۳۱

© www.arshadsaeedfound.com
© www.hazleayakhk.com

جہاں بزم سعید حضرت امام اہل سنت کے مقالات کے مجموعے از سر نو تصحیح کے ساتھ منظر عام پر لا رہی ہے وہاں حضرت کے صاحبزادے اور بزم سعید کے سرپرست حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی دامت برکاتہم کے مختلف مسائل پر وقتاً فوقتاً علیحدہ علیحدہ پمفلٹوں کی صورت میں شائع ہوئے۔ اب مجموعہ کی صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے جس کی طباعت میں حتی الوسع احتیاط سے کام لیا گیا ہے اب بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

ناشر

حافظ محمد عبد الرزاق

ناظم اعلیٰ بزم سعید

مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان

© www.ahlehaqmedia.com © www.hortextbooks.com

زیارتِ قبور

قرآن وحدیث کی روشنی میں

© www.arshadsaeedkazmi.com

© www.hafeezakhtr.com

الانتساب

گذشتہ جمعہ ۲۷ ماہ رمضان المبارک کی رات سے ... مسجد نبوی شریف میں اصحاب صفہ اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بھی فرما دیتے ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سگِ بارگاہِ جیلانی

سید ارشد سعید کاظمی

[illegible]

© www.arshadsaeedkazmi.com
© www.kazmibooks.com

الاہداء

کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار قرآن و سنت پر ہے اور ان کی تشریح میں متقدمین ہی حجت ہیں۔ [illegible] اسلام کا تعلیم [illegible] ہے اگر کوئی شخص [illegible] کسی امر [illegible] تو
ان قبروں کی زیارت [illegible] اس [illegible] کا جواز قرآن [illegible] کے خلاف نہیں۔ اس
کی مخالفت کرنا یا اس سے روکنا [illegible] سنت ہے اور [illegible] شریعت [illegible]
قبروں کی زیارت کرنے [illegible] سنت ہے [illegible] جب کہ اس کا جواز [illegible]
ہی [illegible] جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا میں نے
تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے روکا تھا لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔

اس حکم کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص قبروں کی زیارت سے [illegible] قبروں کا تقدس
پامال [illegible] شریعت [illegible] اور [illegible]
احکام شریعت [illegible] ہے۔

اگرچہ [illegible] اور [illegible] زیارت کی [illegible] قبروں کی زیارت کا جواز [illegible]
[illegible] حضور [illegible] قبروں کی زیارت کا حکم دیا ہے۔
[illegible] حدیث [illegible]
[illegible] کے مطابق ہے اور [illegible]

اس بات سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ [illegible] اسلام [illegible]
[illegible] شریعت [illegible] خلاف [illegible]

دین کی ادنیٰ سی کوئی بات بھی فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ایک بات کھو جاتی ہیں کہ کوئی کوئی بات شریعت کے خلاف ہو گئی ہوں!

تو اس کی وجہ لوگوں کو توحید اور وحدت کا بڑا شرف ہے۔ اور اس کی آڑ میں وہ کہتے ہیں کہ کوئی شرک کی بات نہیں۔

یہ تو اصل اور مسلم ہے کہ کوئی شخص حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کر جائے اور معاذ اللہ ان کی شان میں گستاخی کے کلمات کہیں یہ سمجھ کر یہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ اس میں شرک والا عقیدہ ہے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ بلکہ شخص مذکور جو ان کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ اس کا یہ جرم ہے۔ اگر کوئی شخص مزارات اور قبروں پر سجدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف جدوجہد ہونی چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اولیاء کی گستاخی کی جائے۔ جیسے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عبادت اور شرک سے منع کیا۔ یہ نہیں کہ گستاخی کی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ادب کا صفایا کر دیا جائے۔

توحید کی قسمیں

سب سے پہلے توحید کی دو قسمیں اسی وقت سے ہو گئی تھیں جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر یہ حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا یعنی ایک طرف فرشتے تھے اور دوسری طرف شیطان۔ دونوں عقیدہ توحید رکھتے تھے۔ شیطان مشرک نہ تھا اور فرشتے بھی۔ اس نے قرآن پاک میں شیطان کو کافر کہا گیا ہے مشرک نہیں۔ وکان من الکافرین۔ شیطان کی توحید اللہ کے حکم سے بغاوت تھی لیکن شیطان کی توحید کو اس کی توحید اس کے کسی کام نہ آئی اور وہ مردود ہو گیا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جو عقیدہ توحید قرآن و احکام الٰہی کے خلاف ہو وہ قطعاً جائز نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے قبروں اور مزارات پر جانے سے روکتے ہیں یہ صحیح ہے کہ کسی بات صریحاً خلاف ہے۔ وہ قبروں پر سجدہ کرنا تو شریعت محمدی میں قطعاً حرام ہے۔ اگر کوئی شخص صاحب قبر کو خدا کا شریک ٹھہرا کر سجدہ کرتا ہے تو ایسا کرنے والا بلاشبہ مشرک ہے اور اگر فقط تعظیماً سجدہ کرتا ہے تو ایسا کرنے والا گنہگار اور مرتکب حرام ہے۔ کیونکہ شریعت محمدی نے سجدہ تعظیمی سے منع فرمایا۔

---

(۱) وہ کوئی شخص صحت کے بعد فرمائے

تمام فرقوں نے آدمی کی ہر قوم فرقہ فرقہ ہو کر راہِ راست سے ہٹا رکھا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۔ یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے

رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور جنہوں نے دلیلیں آ جانے کے بعد بھی ان سے اختلاف

کیا اور ایسے ہی لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۵)

معلوم ہوا کہ گروہ بندی اور فرقہ بندی اپنا شیوہ بنا لینا ہے اور قرآن و حدیث سے دور ہو کر

اپنے عقائد بنا لینا اور کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنی مرضی کی تشریح کرنے لگے لیکن جب آپس میں جھگڑا

اور تفرقہ بازی شروع ہو گئی تو ہر ایک نے اپنی رائے اور خود ساختہ مذہب کی طرف دعوت دینا شروع کر دی

جانے لگا۔

قبروں کے سامنے جھکنے اور ان کی عبادت کرنے کے بارے میں حقائق حاضر ہے

سرِ دست زیارتِ قبور سے متعلق مندرجہ ذیل امور کو اولاً شریعت سے واضح کیا جاتا ہے جو کہ

مطلق قرآن و حدیث سے مستدل ہے۔

۱۔ کیا قبروں پر جانا اور وہاں دعا کرنا جائز ہے؟

۲۔ الف۔ کیا قبروں کو زمین سے بلند یا پختہ کرنا یا ان کے نشان باقی رکھنے جائز ہیں؟

ب۔ مزارات پر عمارات اور گنبد بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

۳۔ مزارات پر پھول چڑھانا کیسے ہیں؟

۴۔ قبروں میں جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجسام کی کیفیت؟

۵۔ مزارات پر دعا مانگنے کا طریقہ؟

ہر ایک کا بیان ترتیب وار ملاحظہ ہو

۱۔ قبروں پر جانا اور وہاں دعا کرنا

حدیث: مسلم اور سنن نسائی میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

© www.arshadjawadkazmi.com © www.haftmohabbat.com

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا۔ (مسلم [illegible]، نسائی [illegible])

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے صحابہ! میں نے آپ کو پہلے قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب آپ ان کی زیارت کیا کریں۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱۔ قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے۔ ۲۔ قبروں کے پاس جانے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ جب تک قبر پرستی کا خطرہ تھا اس وقت تک قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا۔

حدیث نمبر ۳: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج مطہرات میں دن تقسیم فرمائے ہوئے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میری باری میں میرے پاس تشریف فرما تھے۔ اسی دوران آپ نے کروٹ لی اور جوتے اپنے پاس رکھے اور چادر کو بھی بچھایا۔ اس کے بعد آپ تھوڑی دیر ٹھہرے کہ آپ کو خیال ہوا کہ میں سو گئی ہوں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاموشی سے جوتے پہنے، اپنی چادر لی، آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی چادر لی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی یہاں تک کہ آپ جنت البقیع تشریف لے گئے، وہاں بہت دیر تک کھڑے رہے اور تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، پھر آپ واپس لوٹے تو میں بھی لوٹ آئی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے گھر پہنچ کر لیٹ گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا اے عائشہ تمہیں کیا ہوا، سانس پھولا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا آپ مجھے بتا دیں ورنہ مجھے اللہ تعالیٰ بتا دے گا۔ میں نے سب ماجرا عرض کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا جبرئیل امین میرے پاس آئے تھے۔ إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ۔ یعنی انہوں نے مجھے کہا کہ جنت البقیع قبرستان میں جاؤں اور اپنے صحابہ کرام کے لیے دعا مغفرت کروں۔ (مسلم [illegible])

اس حدیث سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔ ۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنین کی قبروں پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی۔ ۲۔ بلا تخصیص تمام قبور والوں کے لیے دعا فرمائی۔ ۳۔ تین مرتبہ دعا فرمائی۔ ۴۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبرستان تشریف لے جانا اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا جو جبرئیل امین آپ تک پہنچاتے تھے۔ آپ کو علم غیب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، آپ نے فرمایا سب باتیں مجھے اللہ تعالیٰ بتا دے گا۔

حدیث نمبر ۴: حضرت محمد بن نعمان مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ قال النبی صلی اللہ

[illegible] [illegible]

علیہ وسلم من زار قبر ابویہ او احدھما کل جمعۃ غفر لہ وکتب برًّا۔ (معجم اوسط)

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی تو وہ بخشا گیا اور وہ نیک لکھا گیا۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی قبروں پر جانا گناہ نہیں ہے۔ مگر قبروں پر جا کر خلاف شرع کام کرنا حرام ہے تو یہ باعث بخشش اور خیر و برکت کیسے ہو۔

قبریں سطح زمین سے اونچی بنائی جائیں یا سطح زمین کے برابر؟

اس مسئلہ میں درست حدیثیں ملاحظہ فرمائیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبر کو سطح زمین سے اونچا ہونا چاہیے۔

حدیث نمبر ۱: بخاری شریف کتاب الجنائز میں تعلیقاً ایک حدیث آئی ہے جس میں حضرت خارجہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کی بات ہے: ان اشدنا وثبۃ الذی یثب قبر عثمان بن مظعون حتی یجاوزہ۔ ہم میں سب سے لمبی چھلانگ والا وہ شخص تھا جو حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔ (بخاری شریف)

حدیث مذکورہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اتنی اونچی بنائی گئی تھی جس کو تندرست جوان ہی پھلانگ کر پار کر سکتے تھے۔ یہی بات عمدۃ القاری شرح بخاری میں بھی ہے۔

واضح ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تیار کرائی تھی جیسا کہ ابوداؤد میں حدیث ہے: مطلب بن ابی وداعہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ نکالا گیا پھر ان کو دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پتھر لے کر آئے تو وہ پتھر نہ اٹھا سکا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی طرف اٹھے اور اپنی آستینیں چڑھائیں پھر اس پتھر کو اٹھایا اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے سر کی طرف رکھا اور فرمایا میں اس کے ذریعہ اپنے بھائی کی قبر کو پہچانوں گا اور میرے خاندان میں سے جو بھی شخص وفات پائے گا میں اس کو ان کے قریب ہی دفن کروں گا۔ (ابوداؤد)

جب بخاری اور ابوداؤد کی روایات کو جمع کیا جائے تو یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

چنانچہ جب حضرت عثمان بن مظعون کی قبر لحد بنائی گئی اور ان کی قبر پر پتھر اس لیے لگایا گیا تاکہ قبر دوسری قبروں میں خلط ملط نہ ہو جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے محبت اور عقیدت کی وجہ سے چاہا کہ میرے اہل بیت میں سے جو فوت ہو ان کے ساتھ دفن ہوں۔

غرض قبر کی شناخت کے لیے علامت بھی لگا سکتے ہیں کہ قبر کی شناخت ہو سکے اور انسان اپنے عزیز و اقارب کی قبروں کو پہچان سکے۔

قول فیصل: اب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کی ہیئت پر غور کرتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام نے کس طرح بنایا تھا بخاری شریف میں ہے۔

عن سفیان التمار انه رأى قبر النبي صلى الله عليه وسلم مسنما۔ حضرت سفیان تمار سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو دیکھا جو اونٹ کے کوہان کی طرح اونچی تھی (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۶) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اونٹ کے کوہان کی طرح بلند تھی۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۶۹۷ میں اس حدیث کے تحت ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ حضرت سفیان تمار فرماتے ہیں کہ میں حجرہ شریف میں گیا تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تینوں کی قبروں کو کوہان نما دیکھا۔

تب ہی کوئی مسلم قبر کی سنت سے بہرہ ور ہوا اور جانتے ہیں کہ قبر کو اونچا بنانا بھی درست ہے یہ ثابت ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیخین کریمین کی قبروں کے متعلق صحابہ کرام کا اجماع تھا۔ ورنہ صحابہ میں سے کوئی تو اس سلسلہ میں اختلاف کرتے جیسے کہ آج کل کچھ لوگ قبروں کو اونچا بنانے سے منع کرتے ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیخین کریمین کی قبروں کا طریقہ ہی سنت بن گیا۔

چونکہ یہ مسئلہ اس وقت مختلف فیہ نہ تھا اور صحابہ کرام جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان عالیشان لا تدع قبرا مشرفا الا سويته "کسی بھی قبر کو بلند حالت میں مت چھوڑو بلکہ برابر کر دو" مومنین کی قبروں کے بارے میں نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کی قبروں کے متعلق ہے ان کی بھی

قبریں مسجدوں کی مانند ہوا کرتی تھیں۔

یہ بات غلط ثابت ہوئی، نہیں بلکہ آج بھی حقیقت ہے کہ تمام پاک و ہندوستان میں کوئی عیسائی یہودی کی مشترکہ قبر موجود نہیں ہے جبکہ عیسائی اپنے بعض بزرگوں اور دوسرے یہودیوں کی قبروں کو اسی طرح بناتے تھے۔

یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ تمام عیسائی و یہودیوں کی قبریں پکی ہیں اور ان پر عمارتیں ہیں۔

اور یہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ قبروں کے اوپر عمارت بنانا اس سے مراد بھی گنبد وغیرہ تعمیر کرنا ہے، مگر یہ بھی نشان کو قبر پر بنانے کا مطلب ہے اس کے شروع میں بنایا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو

: قال جابر نهى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا

اوپر کے معنی بیان کرنے کے لئے عربی زبان میں عموماً دو لفظ آتے ہیں: "علیٰ" اور "فوق"۔ یہ دونوں الفاظ اوپر کے معنی ادا کرتے ہیں ـــــ لیکن ان میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ جو چیز اوپر ہو اور متصل یعنی ملی ہوئی ہو اس کے لئے "علیٰ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: وَيَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا "وہ اللہ کے بندے زمین کے اوپر وقار کے ساتھ چلتے ہیں"۔ نیز سورۃ میں ارشاد فرمایا: عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ "اللہ کے مقرب بندے اونچے تختوں پر بیٹھے ہوں گے" مذکورہ بالا آیات میں چلنا اور بیٹھنا زمین اور تختوں کے ساتھ متصل ہے یعنی ان کے قدم اور ان کی نشست زمین اور تخت سے متصل ہے۔

دوسرا لفظ "فوق" یہ لفظ اصل میں کسی چیز کے اوپر کے لئے استعمال ہوتا ہے جو متصل نہ ہو جیسے قرآن پاک میں ہے: وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ "اور ہم نے تمہارے اوپر طور کے پہاڑ کو بلند کیا" یعنی پہاڑ ان سے متصل نہیں تھا بلکہ فاصلے پر تھا۔

نیز جہاں فوق میں اتصال کے معنی ہیں وہ قرینہ سے پہچانے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا "یعنی زمین کے اوپر پہاڑ بنا دئے" لیکن مذکورہ بیان کا تعلق حقیقت اور اصل وضع کے اعتبار سے ہے، مجاز میں ہم اس بیان سے مطلقاً واضح کرنا چاہتے ہیں کہ علیٰ میں جو اوپر کے معنی پائے جاتے ہیں ان میں اتصال پایا جاتا ہے اور

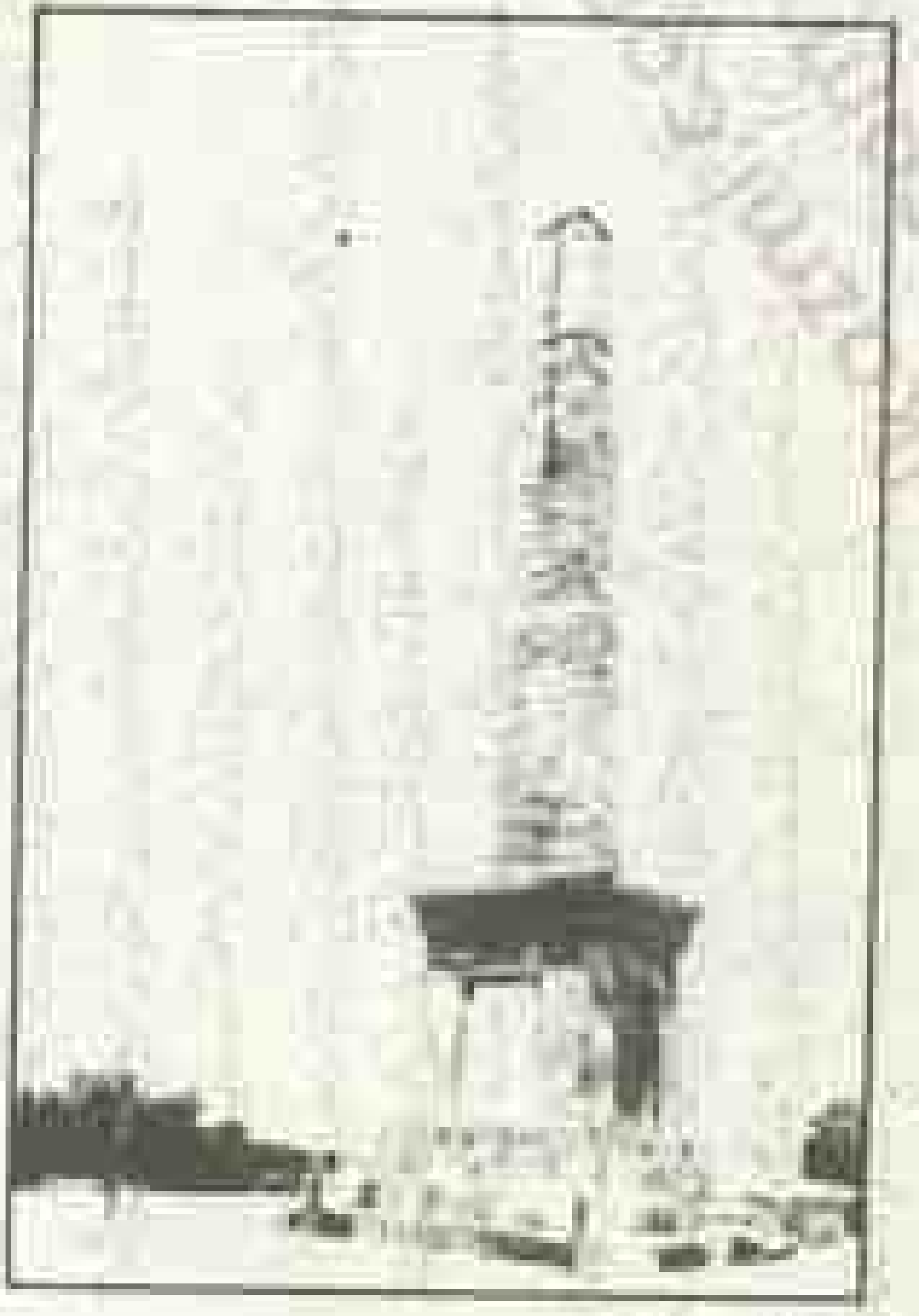

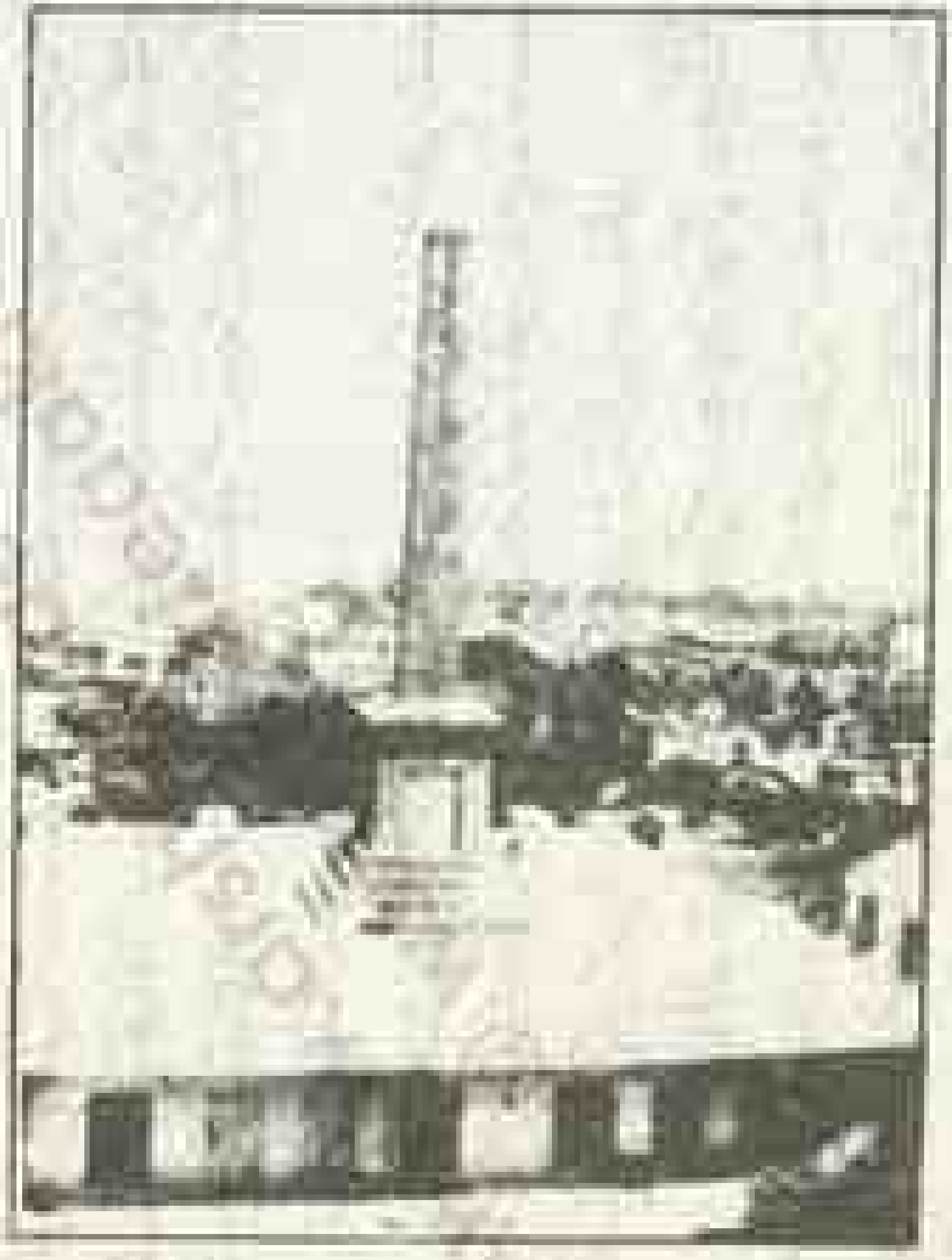

حدیث مذکورہ از ابن عباس [illegible] ... [illegible] متصل عمارت

[illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا [illegible] اس طرح ہے:

"عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد ولولا ذلك ابرز قبره غير انه

خشي ان يتخذ مسجدا" (البخاری شریف ج ۱ ص ...)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... والله ما اخاف عليكم ان تشركوا بعدي

ولكن اخاف عليكم ان تنافسوا فيها (البخاری شریف ج ۲ ص ۹۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [illegible]

[illegible]

اس حدیث مبارکہ سے [illegible]

[illegible]

اس حدیث [illegible] ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا [illegible]

[illegible]

[illegible]

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

[illegible] حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا معاملہ [illegible] کہ جب آپ پر [illegible] عبد اللہ بن [illegible] نے [illegible] تو شہر میں یہ بات گشت کرنے لگی یہاں تک کہ [illegible] [illegible] سے ایک ماہ کے بعد [illegible] کا ظہور ہوا۔ پھر رب تعالیٰ نے آپ کی برأت میں سورۂ نور کی [illegible] آیتیں نازل فرمائیں۔ (بخاری شریف ص ۔۔۔)

الحاصل: یہ بات تو حضرت ام المؤمنین کو پہلے معلوم [illegible] [illegible] حدیث بیان [illegible] کی شان [illegible] اسی لئے حضرت [illegible] [illegible] سے [illegible] دریافت فرمایا یہاں تک کہ [illegible] [illegible] صحابہ کرام [illegible] پوچھتے تھے۔

[illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور [illegible] کے بارے میں [illegible] [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی [illegible] حدیث [illegible] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] [illegible] کی قبر انور یہاں بنائی جائے [illegible] حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں [illegible] آپ کی قبر انور [illegible] بنائی گئی۔

تفسیر حدیث بزبان حدیث

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم مساجد۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۔۔۔)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ اس حدیث پاک میں [illegible] امور ہیں۔ نمبر ۱ [illegible]

نمبر ۲ یہود و نصاریٰ کا قبور انبیاء کو مسجد بنانے کا طریقہ [illegible]

نمبر ۳ مسجد کہا جاتا ہے سجدہ گاہ یعنی سجدہ کرنے کی جگہ کو [illegible]

© www.[illegible]
© www.[illegible]

کیا جاتا ہے وہ مسجود کہلاتا ہے۔

مثال: جب انسان نماز میں سجدہ کرتا ہے تو سجدہ کرنے والا ساجد کہلاتا ہے جس جگہ پر وہ سجدہ کرتا ہے اسے مسجد (سجدہ کرنے کی جگہ) کہا جاتا ہے۔ اور جسے سجدہ کیا جاتا ہے وہ مسجود کہلاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نمازی کا مسجود ہوتا ہے نہ کہ قبر۔

حدیث مبارک میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے کا ذکر آیا ہے جو یہ بتانے کا ثبوت ہے یعنی یہود و نصاریٰ انبیاء کی قبروں کے اوپر سجدہ کرتے تھے یعنی کہ وہ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے۔ اگر انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرنے کا ذکر ہوتا تو مساجد، جو مسجد کی جمع ہے، اس کی بجائے مسجود وغیرہ کے الفاظ ہوتے۔

قبر پر قبہ (مسجد) بنانا

اب یہ دیکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ قبروں کو مسجد کس طرح بناتے تھے نبی کریم کی حیات میں بھی ان کے دوران قبروں کو کس طرح مسجد بنایا جاتا تھا یا نہیں اگر بنایا جاتا ہے تو ان کی تقلید اور ان کے عمل کا ثبوت کون سا ہے جو قبر پر مسجد کے بنانے کا ثبوت ہو اور اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو ان کے ... اس ... میں حدیث کے الفاظ ... اس بات کی وضاحت میں کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو کس طرح مسجد بناتے تھے۔ بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو۔ عن عائشة رضي الله عنها قالت لما اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم ذكرت بعض نسائه كنيسة رأينها بأرض الحبشة يقال لها مارية وكانت أم سلمة وأم حبيبة رضي الله عنهما أتتا أرض الحبشة فذكرتا من حسنها وتصاوير فيها فرفع رأسه فقال أولئك إذا مات منهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلك الصورة أولئك شرار الخلق عند الله۔

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض ازواج مطہرات نے ایک حبشہ کے گرجے کا تذکرہ کیا جسے ماریہ کہا جاتا تھا اور ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ و حضرت ام حبیبہ وہاں سے آئی تھیں انہوں نے اس گرجے کو دیکھا تھا انہوں نے اس کی خوبصورتی اور اس میں لگی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کا کوئی نیک صالح آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر کے اوپر مسجد بنا لیتے پھر اس میں یہ تصویریں اس کی تصویریں بنا کر لگایا کرتے تھے اور یہ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔ (صحیح بخاری ...)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہود و نصاریٰ قبروں پر سجدہ کرتے تھے یعنی ان قبروں کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے تھے [illegible] اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] قبروں کو سجدہ گاہ بنانے [illegible] کہ ان قبروں کی طرف سجدہ کیا جائے۔ اس قبروں [illegible]

دوسرا یہ بات کہ [illegible] سجدہ [illegible] اس حدیث سے واضح ہے۔

لما قدم معاذ من الشام سجد للنبي صلى الله عليه وسلم قال ما هذا يا معاذ؟ قال أتيت الشام فوافقتهم يسجدون لأساقفتهم وبطارقتهم فوددت في نفسي أن نفعل ذلك بك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تفعلوا فإني لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لغير الله لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها۔ (ابن ماجہ، ص ۱۳۴)

ترجمہ: جب حضرت معاذ ملک شام سے آئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اے معاذ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جب میں شام پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے علماء اور پادریوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایسا نہ کرو اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

حدیث مذکورہ سے یہ باتیں ثابت ہوئیں:

نمبر۱: اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے سجدہ جائز نہیں۔

نمبر۲: عورت پر خاوند کا حق [illegible]

نمبر۳: ملک شام کے لوگ اپنے علماء اور پادریوں کو سجدہ تعظیمی کرتے تھے [illegible]

اور حضرت معاذ کا سجدہ بھی انہی کی موافقت میں تھا [illegible] سجدہ تعظیمی [illegible]

© www.arshadhashmi.com © www.kitabosunnat.com

کی اجازت کا حکم صادر نہیں ہوا تھا اور حضرت معاذ بھی اسی لیے کرتے تھے کہ سجدہ تعظیمی شرک نہیں ہے
بلکہ جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام کسی شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اگر سجدہ تعظیمی شرک ہوتا تو حضرت معاذ
ایسا فعل نہ کرتے اور وہ جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں شرک کی

کی اتفاقاً کیا جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تعظیمی شرک نہیں ہے اور یہ کہ سجدہ تعظیمی کی ادائیگی پر کوئی
وعید نہیں ہے کہ اہل شام کا سجدہ تعظیمی شرک نہیں تھا ورنہ وہ اپنے علماء اور بزرگوں کو سجدہ نہ
کرتے اگر سجدہ شرک ہوتا تو حضرت معاذ اہل شام کو سجدہ کرتے دیکھ کر انہیں شرک سے روکتے
بات کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضور علیہ السلام کو سجدہ کرنا چاہا جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تعظیمی
جائز ہے اور دوسرے یہ کہ سجدہ تعظیمی کو شرک کہنا درست نہیں ہے سجدہ عبادت

کیا جاتا ہے۔

سجدہ تعظیمی کے شرک نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر وہ عمل جو شرک ہو اللہ تعالیٰ نے
اسے کبھی جائز نہیں رکھا کسی بھی نبی کی شریعت میں شرک کو جائز نہیں رکھا گیا جبکہ سجدہ تعظیمی کا حکم دیا
جب کہ آپ دیکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا گیا جیسا کہ فرشتوں سے فرمایا گیا اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
(آدم کو سجدہ کرو) اور حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید
میں آیا: وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (ترجمہ: اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور
والدین اور بھائی سب یوسف کے سامنے سجدے میں گر گئے) جب یہ شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ
ان کو کبھی اجازت نہ دیتا۔ اور اس بات کی دلیل یہ بھی ہے کہ شرک کبھی معاف نہیں ہوتا
جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (ترجمہ: بے شک اللہ شرک نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک
کیا جائے اور اس کے علاوہ جو گناہ ہو جسے چاہے بخش دیتا ہے۔)

یہ ثابت ہوا کہ سجدہ تعظیمی شرک نہیں ہے اسی لیے تمام فرشتے اور یوسف علیہ السلام
کو سجدہ کرنے والے بھی مشرک نہ ٹھہرے کیونکہ اللہ اور اس کے نبی نے سجدہ تعظیمی کو شرک
نہیں کہا بلکہ اس کی اجازت دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تعظیمی شرک نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ سجدہ تعظیمی

شریعت محمدیہ میں ناجائز ہے۔ پھر بھی شرک نہیں ہے کہ ایک چیز ایک شریعت میں جائز ہو اور دوسری میں ناجائز۔ مگر یہاں تک ہوا کہ ایک چیز ایک شریعت میں ایک وقت جائز تھی پھر اسی میں دوسرے وقت ناجائز قرار دے دی گئی۔ مثلاً شراب، جو کہ ابتدائے اسلام میں جائز تھی جس کو بعض صحابہ کرام نے پیا بھی، بعد میں حرام کر دی گئی۔ اور بعض صحابہ کرام نے اسے پیا بھی۔ مگر آیت: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (سورۂ مائدہ آیت ۹۰)

• شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ہیں۔ کے نازل ہونے کے بعد شراب حرام ہو گئی۔

معلوم ہوا اس بیان سے یہ کہ اگر ایک چیز ایک وقت میں جائز ہو لیکن دوسرے وقت میں اسے حرام قرار دے دیا جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔ شرک تو ایسا امر ہے کہ ہمیشہ ہی کے لئے شرک رہے گا اور حرام رہے گا۔ یہ نہیں کہ کسی وقت میں کسی شریعت میں اسے جائز رکھا گیا ہو۔ اس لئے تعظیمی سجدہ کو جو کہ تعظیم کے لئے ہے شرک نہیں کہہ سکتے۔ شریعت محمدیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منع فرمانے کی بنا پر حرام ہے مگر شرک نہیں کیونکہ اگلی شریعتوں میں جائز پایا گیا۔

مزارات پر پھولوں کا چڑھانا

اب ہم آپ کو اس بارے میں بتاتے ہیں کہ قبروں پر پھول اور سبزہ وغیرہ ڈالنے سے میت کو فائدہ ہوتا ہے یا نقصان۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا ثبوت ہے کہ ہری ٹہنی قبر پر رکھنے سے عذاب میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ سنت ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کی۔ اس عمل کو ہم کیوں نہ اپنائیں۔ بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقبرین فقال انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدہما فکان لا یستتر من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقہا بنصفین فغرز فی کل قبر واحدۃ فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم صنعت ہذا فقال لعلہ ان یخفف عنہما ما لم ییبسا (بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۸۲)

www.aiyubsaeedkhani.com www.kutubsunnat.com

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی دو قبروں کے پاس سے گزرے جن کو عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا مگر ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں لگاتا تھا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تر کھجور کی ٹہنی لی اس کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا اور ان کو ہر ایک قبر پر گاڑ دیا صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے یہ عمل کیوں فرمایا تو ارشاد فرمایا شاید ان قبروں والوں کے عذاب میں تخفیف کی جائے جب تک یہ خشک نہ ہوں۔ تو قبر والوں کو عذاب سے واللہ تعالیٰ اعلم اور عذاب میں تخفیف کا باعث کھجور کی ٹہنی جب ایک لکڑی کا یہ فائدہ ہو سکتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی غلام کا ذکر اور ان کی دعا کیوں نہ فائدہ کرے گی اسے عذاب قبر سے نجات نہیں دلا سکتی۔ کیا یہ کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ تر شاخ کے برابر بھی نہیں لگتے یہ مقام افسوس ہے۔

حدیث مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ تر شاخ جب تک تازہ رہتی ہے تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی برکت سے قبر کے عذاب میں تخفیف کا باعث بنتی۔ اگر تسبیح کا ہونا عذاب قبر میں تخفیف کا باعث ہے۔ اس حدیث کو اصل بنا کر حضرات علماء نے قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنے کو جائز قرار دیا ہے کہ ان کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح پھول جب تک تازہ رہتے ہیں صاحب قبر کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ یہ پھول وغیرہ ڈالنا سنت سے ماخوذ ہے اور مستحب عمل ہے۔

اس حدیث میں بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب کہ یہ عمل خاص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ تھا اور یہ نہ معلوم تھا کہ عذاب ہو رہا ہے صاحب قبر کو عذاب قبر تو یہ عمل کسی صحابی اور تابعی سے ثابت نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جائز نہیں ہے کہ ہر ایک طرح کا عمل صرف حضور کی ذات تک ہی مخصوص ہو جبکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی صراحت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

"وَأَوْصَى بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَتَانِ" (بخاری کتاب الجنائز جلد اول ص ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں لگائی جائیں۔

واضح رہے کہ حضرت بریدہ اسلمی کا وصال ۶۳ھ میں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پچاس سال بعد یزید بن معاویہ کے دور میں ہوا۔ (بخاری)

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قبر والی بات تو ضعیف ہے کہ وہ حیات النبی کا ثبوت نہیں بلکہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ نہیں تھا بلکہ امت سے سوال کے لیے آتا تو یہ ثبوت سے یہ عمل جائز رکھا گیا ہے۔

قبروں میں جانے کے بعد انبیاء کرام کے اجسام کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟

اس سلسلے میں پانچ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حدیث شریف بخاری و مسلم میں اس طرح ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ ولا یتمثل الشیطان بی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے سوتے میں میری زیارت کی تو عنقریب جاگتے ہوئے بھی میری زیارت سے مشرف ہوگا شیطان کوشش کے باوجود میری شکل اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ... مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۲)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں اتنی واضح ہے کہ اس کا انکار صرف وہی شخص کرے گا جس کے دل پہ مہر لگ چکی ہو گی۔ اس حدیث شریف سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ شیطان عاجز و لاچار ہے اور بے بس ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل اختیار کرنے سے۔

۲۔ سوتے اور جاگتے میں جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تو وہ حضور ہی کی زیارت سے مشرف ہوا کسی صورت میں بھی شیطان کو اس نے نہیں دیکھا۔

۳۔ یہ فرمان عالی مقام امت مسلمہ کے لیے نوید اور بشارت ہے۔ چاہے وہ صحابہ کرام ہوں یا چودہ سو سال بعد کے والا ... یہ فرمان صرف صحابہ کے لیے نہیں بلکہ بعد والے مسلمین کے لیے بھی ہیں۔

۴۔ جس نے خواب میں زیارت کی تو ضرور اس کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ وہ میری زیارت کرے گا اسی طرح جاگتے ہوئے بھی اپنی زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

۵۔ یہ حدیث حیات النبی کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قبر انور میں جانے کے بعد بھی زندہ ہیں چلتے پھرتے ہیں اور جس کو چاہتے زیارت کراتے ہیں اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص ہی نہیں بلکہ ثابت بھی ہے جیسا کہ بے شمار بزرگوں ولیوں کے واقعات مشہور اور زبان زد خلق خدا ہیں۔

وہ بھی خوش نصیب ہیں جو خواب میں زیارت کی دعا مانگتے ہیں تو ایک مرتبہ ہی سہی زیارت سے مشرف ہو کر خوش ہو جاتے ہیں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بعض نے خواب میں ایک مرتبہ زیارت کا دعا مانگتے ہیں اسے ضرور زیارت نصیب ہوگی اب یہ حضور کے کرم پر منحصر ہے کہ جسے چاہیں زیارت کروا دیتے ہیں۔

حدیث:- جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا صلوۃ وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو بعض نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا جسم مبارک تو مٹی ہو چکا ہوگا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر ہمارے درود و سلام کیسے پیش کیے جائیں گے تو آپ نے ارشاد فرمایا ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء صلوات اللہ علیہم"

بیشک اللہ عز وجل نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا جسم کبھی مٹی نہیں ہوتا اور روحانی حیات کا تعلق بھی درحقیقت روح کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ جسم مٹی کا ہوتا ہے لیکن روح والی زندگی ہے جس سے صحابہ کرام کے جواب میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا صلوۃ وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے حضور کے جواب میں فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کرام کی حیات حقیقی ہے نہ کہ دنیاوی بلکہ اس سے بھی اعلیٰ ہے اور وہ اپنے مزاروں سے سنتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کبھی مٹی نہیں کھا سکتی اور ان کے اجسام مبارک قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

صحابہ کرام اور اولیاء کرام کا معاملہ ان کے اجسام میں بھی ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ کتاب بخاری شریف میں ہے۔

حدیث:- عن عروة بن الزبیر لما سقط علیهم الحائط فی زمان الولید بن عبد الملک اخذوا فی بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا وظنوا انها قدم النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فما وجدوا احدا یعلم ذلک حتی قال لهم عروة لا واللہ ما هی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما هی الا قدم عمر" (بخاری شریف [illegible])

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبر مبارک کی دیوار گر گئی تو وہ حضرات اس کو بنانے لگے انہیں ایک قدم نظر آیا پس وہ گھبرا گئے تو وہ ڈر گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم اور ہے تو اس وقت انہیں کوئی بھی ایسا شخص نہ ملا جو اس حقیقت حال سے آگاہ کر سکتا یہاں تک کہ حضرت عروہ بن زبیر جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے انہوں نے فرمایا قسم خدا یہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم پاک نہیں ہے بلکہ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم شریف ہے۔

حدیث مذکورہ سے یہ چند باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور قبرستان میں نہ تھی۔ ۲۔ ان حضرات کا یہ گمان کرنا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم شریف ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سرکار کی جسمانی حیات کے قائل تھے ورنہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ کوئی اور ہے جو دیوار کے نیچے دب گیا ہے۔ ۳۔ یہ واقعہ ولید بن عبد الملک کے زمانے کا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقریباً ۸۰ سال بعد اور حضرت عمر بن خطاب کے وصال کے تقریباً ۷۰ سال بعد تعمیر کیا گیا تھا۔ تب بھی گلنے سڑنے کے بجائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم مبارک میں اسلامی تحریر تبدیلی نہ تھی اور حضرت عروہ بن زبیر نے پہچان لیا کہ یہ حضرت عمر کا قدم مبارک ہے حضور کا نہیں ہے۔ ۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے یہاں تو سرکار کے خلیفہ دوم کا قدم مبارک بھی صحیح سالم ہے جب ان کا یہ عالم ہے تو آقا کے متعلق کیا بات کی جائے۔

اب ہم آپ کے سامنے موطا امام مالک کی ایک حدیث لاتے ہیں موطا امام مالک کے متعلق امام شافعی کا یہ قول آپ کے سامنے رہے۔ "ما تحت ادیم السماء اصح" موطا امام مالک آسمان کے نیچے صحیح ترین کتاب ہے۔

حدیث پاک ملاحظہ ہو!

حدیث: عن عبد الرحمٰن ابن ابی صعصعۃ انہ بلغہ ان عمرو بن الجموح وعبد اللہ بن عمرو الانصاریین ثم السلمیین کانا قد حفر السیل عن قبرہما وکان قبرہما مما یلی السیل وکانا فی قبر واحد وہما ممن استشہد یوم احد فحفر عنہما لیغیرا

© www.ahlehaqmedia.com © www.kutubsunnia.com

من مكانهما فوجدا لم يتغيرا كأنهما ماتا بالأمس وكان أحدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذلك فأميطت يده عن جرحه ثم أرسلت فرجعت كما كانت وكان بين أحد وبين يوم حفر عنهما ست وأربعون سنة۔ (موطا امام مالک ص ...)

حضرت عبدالرحمن بن ابی صعصعہ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سلمہ کے انصاری صحابہ میں سے حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو کی قبر کے بعض حصہ کو سیلاب بہا لے گیا اور یہ دونوں ایک قبر میں تھے۔ یہ دونوں حضرات جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل ہو سکے تو ان کو اس حالت میں پایا گیا گویا کل ہی ان کا وصال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کو زخم لگا تھا اور ان کا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں دفن کر دیئے گئے تھے۔ پھر ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا اسے چھوڑا گیا تو وہ وہیں لوٹ آیا جہاں پہلے تھا۔ جنگ احد اور ان کی قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس سال کا وقفہ گزر چکا تھا۔ (موطا امام مالک ص ...)

حدیث شریف سے یہ امور ثابت ہوئے۔

۱۔ یہ واقعہ غزوۂ احد کے چھیالیس سال بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے چھتیس سال بعد ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت بھی لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ ان اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جسم صحیح سالم ہوں گے تبھی تو ان سے ہٹ کر نئی جگہ رکھنے کے لئے ان کی قبر کھودی۔

۲۔ شہدائے احد کی قبر کی تبدیلی کرنے کے بعد چھیالیس سال بعد بھی ان کی قبروں کے نشان واضح تھے کہ انہیں پہچان لیا گیا۔

۳۔ وصال کے بعد زخم سے ہٹانے کے باوجود ہاتھ کا پھر اسی جگہ آ جانا ان کی جسمانی حیات کی واضح دلیل ہے۔

۴۔ ان کا جسم عام لوگوں کے جسم کی طرح نہ گلا اور نہ سڑا۔

انسان کا قبر میں تلاوت قرآن مجید کرنا

حدیث: ترمذی شریف باب فضائل قرآن میں ہے۔ عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی صلى الله عليه وسلم خباءه على قبر وهو لا يحسب انه قبر فاذا فيه انسان يقرأ سورة الملك

حتی ختمہا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی ضربت خبائی علی قبر وانا لا احسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی المانعۃ ہی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے ایک قبر کے اوپر خیمہ لگایا، انہیں یہ گمان نہ تھا کہ یہ قبر ہے مگر وہ ایک انسان کی قبر تھی تو اس انسان نے مکمل سورۂ ملک کی تلاوت کی پھر وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک قبر پر خیمہ لگایا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے پس معلوم ہوا اس میں تو انسان تھا جس نے مکمل سورۂ ملک کی تلاوت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سورۂ ملک عذاب قبر روکنے اور نجات دلانے والی ہے۔

حدیث شریف سے یہ امور ثابت ہوئے۔

۱۔ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ قبر میں جانے کے بعد تلاوت قرآن مجید ممکن ہے جبھی تو انہیں یہ گمان گزرا کہ قبر میں بلا شبہ تلاوت کر رہا ہے جبھی انہوں نے انسان ہی کا ذکر کیا۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ قبر میں جانے کے بعد تلاوت قرآن مجید ناممکن ہے، بلکہ اس صحابی کا قول کہ قبر میں انسان تھا، برقرار رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سورۂ ملک عذاب قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

۳۔ عذاب سے روکنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور عذاب قبر سے نجات دلانے والی سورہ قرآن مجید ہے تو یہ بات عیاں ہو گئی کہ جب قرآن مجید کی سورۃ کسی کو عذاب سے بچا سکتی ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی باذن اللہ اپنی امت کی شفاعت فرما کر اسے عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اپنی قبروں میں جانے کے بعد بعینہٖ دنیاوی زندگی والی حیات سے ہی موصوف نہیں ہوتے بلکہ جسمانی حیات بھی ان میں پائی جاتی ہے کیونکہ سننا، بولنا، پڑھنا اور حرکت کرنا جسمانی حیات کے لوازمات میں سے ہیں یہی اللہ کے محبوب بندے ان سب صفات سے موصوف ہوتے ہیں۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ

اس آیت کریمہ سے متعلق بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کی حقیقت عذاب اور سزا کے زیادہ سے زیادہ وقت ہے مثلاً آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا "بے شک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے" لیکن کسی صاحب شعور سے یہ بات مخفی نہیں کہ "لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ" آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں یعنی کسی بھی لغت کی رو سے نہیں ہے کیونکہ "تُسْمِعُ" جس کا مصدر "اسماع" ہے اس کا معنی سننا نہیں بلکہ سنانا ہے۔ یعنی آیت کریمہ کا ترجمہ یوں ہوا "بے شک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے" اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں۔

دوسری بات یہ کہ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے نزول کا علم بھی ہونا ضروری ہے جیسا کہ جیسا کہ ہم اس کتاب میں سورۃ نمل کی آیت نمبر ۸۰ کو دیکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں مُردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو سن نہیں سکتے آیات ملاحظہ ہوں۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ

ترجمہ: بے شک آپ نہیں سنا سکتے مُردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر راہ دکھا سکتے ہیں آپ نہیں سنا سکتے مگر ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو وہی مسلمان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیات مذکورہ میں مُردوں سے متعلق کیا بیان ہوا ہے اور کیا جانے کہ ان کو کیا کہا گیا ہے یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو حق بات سننے سے روگردانی کرتے ہیں اور ضد پر قائم ہیں تب یہ آیات انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لئے بعد وفات سننے کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں اور اسی طرح کی آیات میں دو قسم کے لوگوں کا بیان ہوا ہے وہ جنہیں سنانا ثابت نہیں اور وہ جو اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں وہ حضرات جن کو سننے کے لئے سنانا ثابت ہے اور وہ مسلمان ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر روز کی حاضری کے بعد والا اپنی قبر پر حاضر ہو کر ان سے گفتگو ثابت کر

© www.[illegible].com
© www.[illegible].com

اصل یہ ہے کہ کسی بھی آیت یا حدیث میں مُردوں کے سننے کا انکار ثابت نہیں ہے۔ اس لئے تو ہمارے اکابر واضح فرماتے ہیں۔

مگر پھر بھی بعض لوگ ایسی آیات جن میں مُردوں کا بیان نہیں ہے درحقیقت ان آیات سے مُردوں کے نہ سننے کا ثبوت پیش کرتے ہیں حالانکہ ان آیات میں کفار کو مُردوں اور بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ یہ لوگ احکام الٰہی اور قرآن پاک سن کر بھی قبول نہیں کرتے اور ان کا حال مُردوں، اندھوں اور بہروں کی مانند ہے جو کچھ بھی نہیں سمجھتے اس لئے ان کو حق بات سمجھ نہیں آتی۔ ہمارے علماء ان آیات سے سماع موتیٰ کی نفی نہیں کرتے کیونکہ ہمارے علماء تو اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء و اولیاء قبروں میں وفات کے بعد بھی سنتے ہیں حالانکہ یہ آیات مُردوں کے حق میں نہیں بلکہ زندہ کافروں کے حق میں ہیں جو سننے کے باوجود نہیں سمجھتے بعض لوگ ان آیات سے مُردوں کے بارے میں استدلال کرتے ہیں حالانکہ ان میں مُردوں کے سننے کی نفی نہیں ہے بلکہ ان سے تو کافروں کے نہ سننے کا ثبوت ہے۔

وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ

ترجمہ: آپ نہیں سنانے والے انہیں جو قبروں میں ہیں آپ تو فقط ڈرانے والے ہیں۔

ان آیات کا مطلب و مفہوم بیان کرنے کا شوق رکھنے والے مفسرین نے واضح کر دیا ہے کہ صاحب عقل و فہم اس بات سے سمجھ سکتا ہے کہ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا ہے آپ تو ڈرانے والے ہیں اس کا تعلق مُردوں سے نہیں ہے بلکہ زندہ کافروں سے ہے جو اپنی دل کی سختی کی وجہ سے ان آیات میں مُردوں اور بہروں کی مانند ہیں جن کو آپ ڈراتے ہیں مگر ان پر اثر نہیں ہوتا۔ اس آیت کریمہ میں بھی کافروں کو قبروں کے مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے آیات ملاحظہ ہوں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ (سورۃ فاطر آیت ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: زندہ اور مُردے برابر نہیں۔ بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں آپ تو فقط ڈرانے والے ہیں۔

© www.[illegible].com
© www.[illegible].com

تو ثابت ہوا کہ مُردوں سے بات بالکل جیسی ہے کہ زندہ لوگوں کو سنانے کا فائدہ نہیں ایسے ہی ہیں

سنانے کی نفی ہوتی اور دیا ہوا ہو جب دل میں ہو تو بھی یہ بتلا کہ سنانے کی نفی بھی دل میں ہی ہے

ہوتی ہوگی ضرورت سے جب یہ آیت مُردوں سے حق میں نہیں تو یہ ہمارے عقیدے کے خلاف نہیں

کیونکہ ہم ان مُردوں سے حق میں ہی مانتے ہیں جو ہمارا قائل ہے وہ صفت کرتے ملا کر یہ آیت

زندہ لوگوں کے حق میں ہیں الحاصل یہ دونوں آیات ہمارے مذہب کے خلاف نہیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ زندہ سے سنانے کی نفی بھی ترجمہ اس کا سبب ہے اور حق بات کی بیان یہ

سنانے سے مراد یہ نہیں کہ زندہ لفظ کو ان سے حق میں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے دل میں ایسی حق کی

ہدایت قبول ہی نہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے وہ حضرات میں حق بات قبول کرنے کی صلاحیت

نہیں رہی جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ـ (الاعراف، آیت ۱۷۹)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ان کے دل ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں جن سے وہ نہیں سنتے وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، وہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دیکھنا، سننا اور سمجھنا چوپایوں کا بھی ہو جاتا ہے اللہ نے ان کو دیا ہے اور تمام احمد ان کافروں کے لیے بھی ثابت ہیں جو چیزیں کھاتے پیتے اور سنتے تھے لیکن وہ شرک کی بنا پر ان سے بہت آگے نکل گئے تھے اور لوگ ان کے نزدیک یہ جو نہ سنتے تھے ان کا یہ نہیں ہوا کہ وہ دیکھنا یہ تمام امور ان کے لیے ثابت ہو گئے

بہر حال حق ہی یہی ہے کہ ان حضرات کی بنا پر ان کافروں کا الموقف ہے۔

© www.ahlehadeesforums.com © www.kaltaaqbhi.com

"من فی القبور" سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے نیز مردوں کے سننے کا ثبوت اس طرح کیا جا سکتا ہے
جب کہ یہ ثابت شدہ حدیث سے بات ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذهب اصحابه حتی انه یسمع قرع نعالهم۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی واپس جاتے ہیں تو میت ان لوگوں کے قدموں کی چاپ کی آواز سنتی ہے۔

منکرین حضرات نے اس حدیث کے متعلق یہ تاویل کی کہ وہ میت فرشتوں کے جانے والوں کی چاپ کی آواز سنتی ہے۔

یعنی فرشتوں کے جوتوں کی آواز مراد نہیں کیونکہ فرشتوں کے لئے جوتوں وغیرہ کا ثبوت ہی ثابت نہیں جب جوتوں کا پہننا ہی ثابت نہیں تو ان کی آواز سننے کی بات کیسے ہوگی۔

یہ ترجمہ بھی حدیث میں صاف ظاہر ہے کہ انہیں لوگوں کی جوتوں کی آواز ہے جو دفن کر کے گئے یعنی فرشتوں کے قدموں کی آواز نہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت اذا وضع فی قبرہ انه لیسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا (مشکوٰۃ ۔ ج ۱، ص ۳۰۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت کو جب قبر میں دفنایا جاتا ہے تو میت ان کے قدموں کی چاپ کی آواز سنتی ہے جب وہ لوگ واپس جاتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ وہ سماع موتی کے منکر ہیں بعض معاصرین کی کتب سے بیان کیا گیا ہے حالانکہ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر افتراء ہے۔

اگر آپ مزید غور فرمائیں تو آپ پر آشکار ہو جائے گا کہ آیات ان کافروں کے بارے میں ہیں جن کے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے کہ وہ لوگ مردہ ہیں اور ان کی قبروں کی مانند میں کر دیا گیا ہے کہ

© www.arshadeenadhumi.com © www.kaiduluptinks.com

کافروں کی مذمت کرنے والی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس مقام پر حضرت ابن عمر کا یہ قول یاد آتا ہے۔

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۲۴)

حضرت عبد اللہ ابن عمر خوارج کو ساری مخلوق سے زیادہ بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آیات کافروں کے بارے میں نازل ہوئیں یہ لوگ انہیں مومنین پر چسپاں کرتے ہیں۔

انبیائے کرام و اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے وقت عموماً تین باتیں کی جاتی ہیں

نمبر ۱۔ صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا۔ نمبر ۲۔ ان سے عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ ان کے وسیلے سے ہماری مشکل حل فرما۔

مزار پر حاضری کے وقت عموماً یہ تین کام ہوتے ہیں۔

نمبر ۲۔ اللہ کی بارگاہ میں ان سے دعا کی درخواست کرنا۔

نمبر ۳۔ وصال کے بعد وسیلہ پیش کرنا۔

ہر ایک کا بیان ترتیب وار ملاحظہ ہو۔

وسیلہ پیش کرنا

اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں وسیلہ پیش کرنے کا ثبوت قرآن کریم سے ہے جیسا کہ فرمان قرآن مجید ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔ اللہ کی طرف وسیلہ طلب کرو۔ اس آیت کریمہ میں کسی بھی وسیلہ کو مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ ہر وہ چیز جو اللہ کا قرب دلانے کا ذریعہ ہو اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا مطلوب ہے۔

یہ کہ نیک لوگوں کا وسیلہ اور اعمال صالحہ کا وسیلہ دونوں ہی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا

فاسقنا قال فیسقون۔ [illegible]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارانِ رحمت کی دعا کیا کرتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ ہم پہلے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں سیراب فرماتا تھا اب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں پس ہمیں سیراب فرما۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ اس دعا کے بعد ان پر بارش برسائی جاتی تھی۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت عباس کو وسیلہ بنایا گیا۔

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی وسیلہ بنایا جاتا تھا کیونکہ حضرت عمر نے دعا میں یہ کہا کہ اے اللہ ہم پہلے نبی کریم کو تیری طرف وسیلہ بناتے تھے اور اب نبی کریم کے چچا حضرت عباس کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عباس نے اپنے وسیلہ بنائے جانے کو صحیح تسلیم فرمایا۔

نیز دعا کرنے سے پہلے حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ ہم پہلے حضور کریم کے وسیلے سے دعا کرتے تھے اور اب ان کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں، چنانچہ فوراً بارش نصیب ہو گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت عباس کو وسیلہ بنانا [illegible] اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس کو وسیلہ اس لئے بنایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو چکا تھا اور وصال کے بعد وسیلہ بنانا جائز نہیں [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعد از وصال بھی وسیلہ بنایا گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص ان سے کسی حاجت کے لئے [illegible] آتا جاتا تھا مگر سیدنا عثمان غنی [illegible] اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے [illegible] اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف سے [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے والی دعا [illegible] پڑھو جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نابینا کو ارشاد فرمائی تھی تو اس دعا کے پڑھتے ہی اس کا کام ٹھیک ہو گیا تھا۔

اس کی ترکیب یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اس طرح کہے۔ اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک

© www.urduahlesunnat.com
© www.kutubsunni.com

بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ... و تشفعنی ... عقلی۔ ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ (... ابن ماجہ ص ۱۰۰)

مذکورہ بالا عبارت سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

نمبر ۱ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خود وسیلے سے دعا مانگنے کا حکم فرمایا۔

نمبر ۲ سرکار کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں بھی آپ کے وسیلے سے دعا کی گئی۔

نمبر ۳ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ کو مخاطب کر کے دعا کی گئی اور عرض کیا یا محمد، یعنی وصال کے بعد بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام سنتے اور دیکھتے ہیں۔

نمبر ۴ وسیلے سے دعا کرنے کا عقیدہ تمام صحابہ کرام کا عقیدہ تھا تب ہی تو اس دعا کو بعد میں حضرت صحابی رسول ابن حنیف نے سکھا دی۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو جعفر ہے جس کے بارے میں کلام کرتے ہوئے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ... علامہ ... نے اس پر بحث کر کے فرمایا ہے کہ اس نام میں ابو جعفر تین ہو سکتے ہیں۔ ابو جعفر رازی، ابو جعفر مدنی اور ابو جعفر خطمی ... ابو جعفر مدنی یا رازی یہ دونوں ... کے ضعیف ہیں اور ... خطمی ... ثقہ ہیں ... امام ترمذی نے ترمذی شریف میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: "هذا حدیث حسن صحیح غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه من حدیث ابی جعفر وهو غیر الخطمی" یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے لیکن اس حدیث کو ہم اسی سند کے ذریعے جانتے ہیں جس میں ابو جعفر ہے اور ابو جعفر خطمی نہیں ہے۔ جب یہ عبارت سامنے آئی تو تحقیق طلب بات یہ ہو گئی کہ اگر یہ ابو جعفر خطمی نہیں تو جعفر رازی یا مدنی ہوں گے اور یہ دونوں تو ... ضعیف ہیں۔ ان کی حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کیسے کہا ... یہ بات واضح ہو گئی کہ یہاں پر ترمذی شریف میں کتابت کی غلطی ہے ... ترمذی کی شرح ... امام ابن عربی ... کے نسخے ... میں الفاظ ہیں۔ "وهو الخطمی" یعنی یہ ابو جعفر خطمی ہے ... تب ... ترمذی شریف میں ... غلطی ہے

© www.[illegible].com
© www.[illegible].com

کی مثال ہے جس میں ایک ضعیف راوی ہے اور یہ سند اس طرح ہے۔ یہ سند امام طبرانی کی معجم صغیر [illegible]
اس طرح ہے: حدثنا عبداللہ بن [illegible] حدثنا ابو [illegible] حدثنا مؤمل [illegible]
قال ثنا ابو جعفر الخطمی (معجم صغیر [illegible])

اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ ابو جعفر خطمی ہے اور یہاں [illegible]
تھا اور دوسری سند ہے جس سے [illegible] ہو گئی۔

وسیلے کا پہلا منکر؟

حضرت محمد [illegible] وسیلہ کا سب سے پہلا انکار کرنے والے ابن تیمیہ ہیں۔ [illegible] انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا "قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ"۔ اس کتاب کی وہ عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جو [illegible] پہلی عبارت ملاحظہ ہو:

"الشياطين قد تمثلت لهم وتتصور لهم في صور الآدميين فيرونهم بأعينهم ويقول أحدهم أنا إبراهيم أنا المسيح أنا محمد أنا الخضر أنا أبو بكر أنا عمر أنا عثمان أنا علي أنا الشيخ فلان وقد يقول بعضهم عن بعض هذا هو النبي فلان أو هذا هو الخضر ويكون أولئك كلهم جنا يشهد بعضهم لبعض" ([illegible])

ترجمہ: شیطان لوگوں کی شکلیں بنا کر آتے ہیں [illegible] لوگ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور شیطانوں میں سے کوئی کہتا ہے میں ابراہیم ہوں، میں مسیح ہوں، میں محمد ہوں، میں خضر ہوں، میں ابوبکر ہوں، میں عمر ہوں، میں عثمان ہوں، میں علی ہوں، میں فلاں شیخ ہوں۔ بعض وہ شیطان ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں یہ فلاں نبی ہے یا یہ خضر ہے۔ حالانکہ یہ تمام کے تمام جنات شیطان ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے لیے گواہی دیتے ہیں۔

دوسری عبارت ملاحظہ ہو:

"مثل أن يرى القمر قد انشق وخرج منه [illegible] وعانقه وهذا يراه [illegible]

عند قبور الأنبياء وغيرهم وإنما هو شيطان فإن الشيطان يتصور بصورة الإنس ويقول لأحدهم إنه النبي فلان أو الشيخ فلان ويكون كاذبا في ذلك۔ ص۲۲

ترجمہ: مثلاً کوئی شخص کسی قبر کو دیکھتا ہے کہ وہ پھٹ گئی اور اس میں سے میت باہر نکلی اور اس نے اس شخص سے بات چیت کی اور معانقہ کیا اور وہ شخص یہ معاملہ انبیاء کی قبروں کے پاس دیکھتا ہو یا ان کے علاوہ کسی اور قبر کے پاس، حالانکہ وہ نظر آنے والا شیطان ہوتا ہے کیونکہ شیطان انسانوں کی شکل میں آ جاتا ہے اور شیطانوں میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ فلاں نبی ہے یا فلاں شیخ ہے حالانکہ وہ ایسا کہنے میں جھوٹا ہوتا ہے۔ (کیونکہ حقیقت میں وہ شیطان ہے)

یہ وہ عبارت ہے جس کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص ہے جس کا دل خون کے آنسو نہ روئے کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو انبیاء و اولیاء کی گستاخی پر کمربستہ ہیں اور ایسے لوگوں کو شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ صاحب نے بعض جگہ اچھے امور بھی لکھے ہیں لیکن ہر شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ ایک من دودھ کو گندگی کا ایک قطرہ ناپاک کر دیتا ہے۔

جناب ابن تیمیہ صاحب نے اپنی مخالفت میں جو شور و غوغا کیا حقیقت یہ ہے کہ وہ ضعیف قرار دیئے میں بھی شریعت کی غلطی کی، مثلاً حدیث اعمیٰ، تاریخ اصحاب کی حدیث جس کا بیان ابھی آپ نے ملاحظہ کیا۔ اسی طرح حدیث "من زار قبري وجبت له شفاعتي" جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ یہ حدیث بھی ان حدیثوں میں شامل ہے "رد المستشفع" ابن تیمیہ نے ... کے جوابات امام تقی الدین سبکی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "شفاء السقام" میں دیئے ہیں۔ جب ابن تیمیہ کی وفات ہو گئی تو بعض معاصرین نے اپنی کتابوں میں ان حالات کو اپنی طرف سے پیش کیا وہ تمام ان اعتراضات کے جواب میں، لیکن ان کے جوابات عوام الناس کی نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن یہ علمی خیانت اور جہالت کا مظاہرہ ہے۔

www.[illegible].com

www.[illegible].com

مزارات پر دعا کرنے کا دوسرا طریقہ

صاحبِ قبر کو مخاطب کر کے کہنا کہ ہمارے حق میں اور فلاں حاجت کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں۔

مگر دو وجوہات سے یہ بات غلط اور غیر صحیح ہے۔

۱۔ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے سفارش کا طالب ہونا۔

۲۔ کیونکہ یہی عقیدہ مشرکین مکہ کا بھی تھا کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے تھے۔

ہر ایک کے بارے میں تفصیل اور بیان ملاحظہ ہو۔

(۱) اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کو سفارشی بنانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۶)

ترجمہ: (اے نبی) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو آپ بتا دیں کہ میں قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں۔

جہاں یہ ارشاد فرمایا وہاں یہ بھی ارشاد ہوا: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (سورۃ النساء: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے جو رسول بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے، اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے تو اگر آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

اس دوسری آیت کو پڑھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دعا قبول کرنے والا حقیقتاً اللہ ہی ہے اور اگر کوئی شخص کسی کے وسیلے کے بغیر دعا کرے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنی رحمت

© www.ahlehadeethhome.com © www.kitabosunnat.com

کے متعلق بھی قبول فرماتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کا قائل ہو کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے بعد بھی دعا قبول نہیں فرماتا تو وہ گمراہ ہے اور اس کا سوچنا قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے اور یہ تو بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور استغفار کو پسند فرماتا ہے اسی لئے اس نے فرمایا:

۔ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے تو آپ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے۔

یعنی اگر ان کو مغفرت طلب کرنا نہیں آتی تو ہوتا یہ کہ ان کو آپ کی بارگاہ میں حاضری دینا ہوتا اور آپ کو ان کے لئے خدا سے مغفرت کرانا اور ان کو دنیا میں استغفار کرنا انہیں سکھایا جاتا۔

عقیدۂ فاسدہ

اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے یعنی اس کے مقدس اور پاک بندے جو کام کر سکتے ہیں یا اللہ کے کرا سکتے ہیں تو یہ عقیدہ بالکل فاسد اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے عقائد سے محفوظ رکھے۔ آمین

کیونکہ قرآن مجید میں ہے: لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (سورۃ ... آیت ...)

آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی ہیں ... یہ تمام نعمتیں اللہ ہی کی ہیں ...

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

ہاں مگر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ... بندوں کی دعا قبول نہیں فرماتا ... حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو خالی نہیں لوٹاتا ہے۔

حدیث:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ قال من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب

الیّ بالنوافل حتی احبہ، فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۶۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے میرے ولی سے عداوت کی میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے فرائض کے ذریعے حاصل کرتا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا اور اگر وہ مجھ سے میری پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

یہ حدیث مبارک اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے لئے عظیم الشان نوید ہے جس میں خصوصی طور پر ان کی [illegible] کی صورت [illegible] ہے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے [illegible] مقرب بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں اسے ضرور عطا کروں گا۔ یہی بات ہم عرض کر رہے تھے کہ اللہ کے مقرب بندوں کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا اور [illegible] اللہ تعالیٰ نہیں رد فرماتا۔

حدیث پاک کے ان الفاظ کا تعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ اس سے جو بھی [illegible] حال میں بھی ہو اور جس عالم میں ہو جو بھی مانگے اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے [illegible] یا عالم آخرت میں۔

کیونکہ یہ بات [illegible] ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین [illegible] کرتے ہیں [illegible]
آپ [illegible] اللہ تعالیٰ سے مانگیں [illegible]

© www.arshadsaeedkazmi.com © www.kazmiahlebait.com

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ رسالت مآب ﷺ کی زندگی میں لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے اور آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ ان کے لیے دعا فرماتے تھے، تو اس وقت سے لے کر آج تک [illegible] گیا۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم نے نہیں، اس سے سوال کرو۔
[illegible] وعدہ کہاں گیا ہم اس [illegible] نہیں [illegible] ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

کیا یہی عقیدہ مشرکین مکہ کا نہیں تھا کہ وہ اپنے بتوں کی اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے تھے۔

[illegible] اسلام [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ نے ان [illegible] سے اجتناب کرنے کے لیے فرمایا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

"عن عاصم بن سليمان قال سألت أنس بن مالك عن الصفا والمروة فقال كنا نرى أنهما من أمر الجاهلية فلما كان الإسلام أمسكنا عنهما فأنزل الله إن الصفا والمروة الآية" (صحیح بخاری [illegible])

© www.ahlulhadeeth[illegible].com
© www.[illegible].com

عاصم بن سلیمان نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے بارے میں سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جاہلیت کا کام تصور کرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو ہم اسی بنا پر اس سے رکنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان چکر لگائے۔"

بخاری شریف میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ لوگ اپنے بت مناۃ کے لئے تلبیہ کہتے تھے لیکن اسلام سے اسی شرک کو ہم تصور کرتے صفا و مروہ کی سعی کو برا تصور کرتے تھے۔

غور سے دیکھیں اللہ تعالیٰ کی آیات بیت جو مسئلہ ہے اس کا خلاصہ بیان ہوا ہے کہ مشرکین اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے لیکن ان کے ساتھ ساتھ وہ بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے جب اسلام آیا تو ان کے اس غور کو باطل قرار دیا اور فرمایا: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ تم جان بوجھ کر اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

مشرکین بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے لیکن وہ بتوں کو بھی پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ سمجھتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اسی سبب سے انہوں نے دونوں کے درمیان بت رکھ دیئے۔

الغرض یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں اور صفا و مروہ کی سعی جو اسلام سے پہلے بھی ہوتی تھی وہ اللہ کا حکم ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کیونکہ حج بھی اللہ کی عبادت ہے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی عبادت ہے البتہ جاہلیت میں جو شرک ملا ہوا تھا اسلام نے اسے ختم کر دیا اور صرف اللہ کی عبادت کو باقی رکھا اور سعی اور صفا کے درمیان شرک کو ختم کر کے اس کو دین کا حصہ بنا دیا۔

اسی طرح سنت شفاعت ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے شفاعت کی امید رکھتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے لیکن ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اللہ چاہے تب بھی ہماری شفاعت قبول کرنے پر مجبور ہے۔

پس اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو وسیلہ اور شفاعت کا حق دیا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں کثیر مقامات پر فرمایا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنے مقرب بندوں کی شفاعت کے قائل

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

کرنے کی تردید میں ہیں ارشاد فرماتی۔

بتوں کی شفاعت قبول نہیں

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ (الروم آیت ۱۲، ۱۳) اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم مایوس ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا، اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔

مقرب بندوں کی شفاعت قابل قبول ہے

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا (مریم آیت ۸۷) وہ لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہ مالک ہیں جنہوں نے رحمٰن سے عہد لیا ہے۔ یعنی کچھ لوگ ایسے ضرور ہیں جنہوں نے شفاعت کرنے کا عہد رحمٰن سے لیا ہے۔ وہ انبیاء اور اولیاء ہیں ان کے شفاعت کا ... [illegible] ... اب ... [illegible] ... بتوں کی شفاعت نا قابل قبول اور اللہ کے مقرب بندوں کی شفاعت قابل قبول ہے ... [illegible]

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (الزخرف آیت ۸۶) اور اللہ کے سوا جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے سوائے ان کے جو حق کی گواہی دیں ... [illegible] ... شفاعت کی ... [illegible]

آیت ... [illegible] ... میں جہاں بتوں اور باطل معبودوں کی شفاعت کے مردود ہونے کا ذکر ہے وہاں مقربین کی شفاعت کے مقبول ہونے کی تصریح ہے۔

اس بیان کے بعد بھی اگر کوئی شخص حق قبول نہ کرے تو اس کے لئے ہدایت کی دعا ہے

سید ارشد سعید کاظمی

[illegible]

[illegible]

www.[illegible].com www.[illegible].com

سبق

© www.arshadsaeedkazmi.com

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو اپنے برادرِ محترم
سیدی و سندی حضرت سید مظہر سعید شاہ کاظمی دامت برکاتہم العالیہ
کے نامِ نامی و اسمِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کی شفقت اور توجہ
کی بدولت میں اسے مکمل کرنے کے قابل ہوا
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کی برکت سے [illegible] نافع خلائق بنائے

آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم

ناکارۂ خلائق

فقیر سید ارشد سعید کاظمی غفرلہ ولوالدیہ [illegible]
[illegible]

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج کل جب ... [illegible] ... نے ہر چیز کو شرک و بدعت قرار دینا اپنا فرض ... [illegible] ... حدیث ... [illegible] ... اس حدیث کے صحیح مفہوم سے آگاہ ... [illegible] ... ان کے ... [illegible] ... بدعت ... [illegible] ... پیش کئے ... [illegible]

[illegible] ... بدعت ... [illegible] ... حقیقت ... [illegible] ... بدعت ... [illegible]

[illegible] ... حدیث ... [illegible] ... بدعت ... [illegible] ... حدیث ... [illegible]

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حدیث مبارکہ میں کل محدثۃ بدعۃ کی تشریح کرتے ہوئے مفہوم حدیث

© www.arshadsaeedkazmi.com © www.[illegible].com

واضح کیا جاتا ہے۔ لفظ کل ... علامہ ابن حزم ... اور دوسرا ایک ... کے کئی معنی استعمال ہوتے ہیں
تو کبھی وہ بعض کے معنی ادا کرتا ہے۔ جو فرشتہ زمین میں اس وقت آیا جب ... کہا کہ کل
وہ سے مخصوص اہل بات سے بھی کسی وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں کل تمام کے معنی میں نہیں بلکہ
بلکہ وہ بعض کے معنی میں ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ہے: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا
(سورۃ الاحقاف، آیت ۲۵) (وہ آندھی) ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر ڈالے گی یہاں کل
شیء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر جو آندھی جو عذاب نازل ہوا اس نے تمام اشیاء کو
تباہ کر دیا مگر اسی آیت میں ارشاد ہوا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ تو ایسے ہو گئے
کہ سوائے ان کے گھروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یعنی ان کے گھر باقی رہے۔ حالانکہ کل شیء میں تو گھر
بھی تھا ان کے گھر بھی باقی رہے۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ
کل "بعض" کے معنی میں ہے۔

یہی کل شیء "ہر چیز" سے بھی کیا جائے تب بھی یہاں کل کا مفہوم بعض
ہی رہے گا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے کہا
"مجھے دکھلائیے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے"
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ کو یقین نہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں، مگر اطمینان قلب
کے لئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ چار پرندے لیں ... پھر
پھر ارشاد ہوا: ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پھر ہر ایک پہاڑ پر ان پرندوں کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دیجئے پھر انہیں بلائیے
تو وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے۔ آیت مذکورہ میں کل جبل ... سے یہ مفہوم
ہو گئے ... کہ دنیا کے تمام پہاڑوں پر ان کا گوشت رکھ دیں ... ایک ایک پہاڑ کی
چوٹی پر ان چار پرندوں کا گوشت رکھ دیں ... یہی ہوا جیسا کہ
احادیث میں ... یہاں بھی کل بمعنی بعض آیا ہے۔ قرآن مجید میں ... کل

© www.ahlehadeethforum.com © www.kitabosunnat.com

بے شمار مثالیں ہیں۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لفظ کل مطلقاً یا شرعاً تمام یا ہر ایک کے معنی میں وارد نہیں ہوتا بلکہ بعض کے معنی میں بھی وارد ہوتا ہے۔ اس کی تصریح ابن تیمیہ نے اپنی کتاب تاریخ نجد میں بھی کی ہے۔ اب ہم حدیث مذکورہ میں دیکھتے ہیں کیا یہاں بھی لفظ کل بعض یا ہر ایک کے معنی میں ہے یا نہیں۔

الفاظ حدیث پر غور کیجیے

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اور حدیث سے کل کے معنی واضح کئے جاتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (بخاری جلد اول ص ۳۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ہر نئی چیز دین میں ایجاد کرنا ناجائز نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف ارشاد فرمایا من احدث فی امرنا ھذا جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں سے نہیں وہ مردود ہے۔ مگر حدیث کا آخری حصہ ما لیس منہ (وہ چیز جو اس دین سے نہ ہو) ارشاد فرما کر واضح کر دیا کہ وہ نئی چیز جو دین میں سے ہو وہ مردود نہیں اور جو نئی چیز دین سے نہ ہو اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ نئی چیز جو داخل دین ہو وہ کیسے نئی ہو سکتی ہے؟ اس کے بارے میں گزارش ہے کہ نئی چیز کے دین سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصل دین میں پائی جائے۔

اصل کی تشریح

ہر چیز کی اصل دین میں یہ ہے کہ وہ جائز حلال اور پاک ہو جب تک کسی چیز کو حرام

اور ناپاک قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کے حلال، پاک اور جائز ہونے پر دلیل طلب نہیں کی جاتی کیونکہ اشیاء کی اصل یہ ہے کہ وہ حلال، جائز اور پاک ہوں۔ وہی خلاف اصل پر دلیل طلب کی جاتی ہے کہ کوئی چیز حرام، ناجائز اور ناپاک کیسے ہے۔ اگر کسی چیز کے حرام یا ناپاک ہونے میں اختلاف پایا جائے تو اس کی حلت اور پاکی ثابت کرنے کے لئے فقط اتنا کافی ہوتا ہے کہ یہی اصل یا وضاحت کی بنا پر اس کے حلال یا پاک ہونے میں شبہ پیدا ہو اور وہ بھی باطل کر دیا جائے کسی چیز کی حرمت یا ناپاکی کی دلیل رد کر دینے کے بعد یہ سوال نہیں اٹھایا جا سکتا کہ اس کے حلال اور پاک ہونے پر کوئی دلیل پیش کی جائے کیونکہ ہر چیز کی اصل یہ ہے کہ وہ جائز، حلال اور پاک ہو۔ اس لئے جب کسی چیز سے ناپاکی اور حرمت وغیرہ دور ہو جائے تو اس کی پاکی پر کوئی دلیل طلب نہیں کی جاتی اور وہ خود بخود پاک اور حلال ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اب کسی چیز کے بدعت ہونے یا نہ ہونے کا مفہوم واضح ہو گیا کہ وہ نئی چیز یا ایسا کام جو سنت ہے جس کی حرمت یا ناپاکی وغیرہ پر کوئی دلیل قائم ہو مثلاً ماتم کرنا یا بین کرنا بدعت ہے جس کی مخالفت بخاری کی حدیث میں وارد ہے

قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية (صحيح بخاري)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے رخسار پیٹے گریبان چاک کیا اور جاہلیت کی پکار پکاری وہ ہم میں سے نہیں۔

وہ نئی چیز جس کے ناپاک یا حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں وہی اصل حلت اور پاکی پر برقرار ہے اس سے کوئی ایسی نئی چیز پیدا ہی نہیں ہو سکتی جس کا وجود عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی نہیں پایا جاتا تھا لیکن امت مسلمہ نے اسے قبول کر لیا۔

شہ ۔ حلال ہونا   شہ ۔ حرام ہونا

مثلاً قرآن مجید میں نقطے اور اعراب یعنی زبر زیر وغیرہ، جب رائج ہوئے اس سے پہلے اہل عرب ان نقطوں اور اعراب کے بغیر پڑھنے پر جب قادر تھے تو کسی لفظ کا صحیح تلفظ اس کے محل وقوع کی مناسبت سے جان لیا کرتے تھے اور جہاں کہیں دقت کا اندیشہ ہوتا وہاں کتابت میں تبدیلی کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اولئک اور الیکۃ میں فرق۔ اولئک میں "و" پڑھنے میں نہیں آتی لیکن یہاں سمجھنے والوں کی آسانی کی خاطر قرآن میں لکھے گئے تمام نسخوں میں جہاں یہ دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں صحیح اور مکمل لکھے جاتے ہیں مگر ان کے معنی میں تبدیلی آجاتی ہے اور پڑھنے والے کو الیکۃ کے نقطے نہ ہونے کی بنا پر مغالطہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کون سا لفظ پڑھنا چاہیے اس غلطی سے بچنے کے لئے اولئک میں "و" لکھی گئی۔

اسی طرح عصٰی اور عصا کا فرق "ی" کے ذریعے دیا گیا۔ آخر میں "ی" ہوگی تو ... پڑھا جائے گا۔ اس سلسلے میں بغیر نقطوں و اعراب کے قرآن مجید کے دو اوراق کا عکس جو مصحف عثمانی سے جو تاشقند میں ہے، لی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

اس کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی گئی ہے جو آج بھی تاشقند کے عجائب گھر میں ... محفوظ ہے۔ اس کی دو ورق ہیں جس میں یہ آیات ہیں

قَالَ
الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ
وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ
الْحَكِيمِ ۝ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ
لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ۝ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ

دوسرا نسخہ قرآن کریم کا منسوب ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے قرآن مجید کا ورق [illegible]
[illegible] حضرت امام [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

غرض معلوم ہوا کہ ابتدا میں قرآن مجید بغیر نقطوں اور اعراب کے تحریر کیا جاتا تھا۔ نقطے اور اعراب بعد میں لگائے گئے۔
نمونہ بغیر نقطوں و اعراب کے ایک خط کا عکس بھی پیش کیا جاتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اپنے زمانہ میں مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرف ارسال فرمایا تھا۔

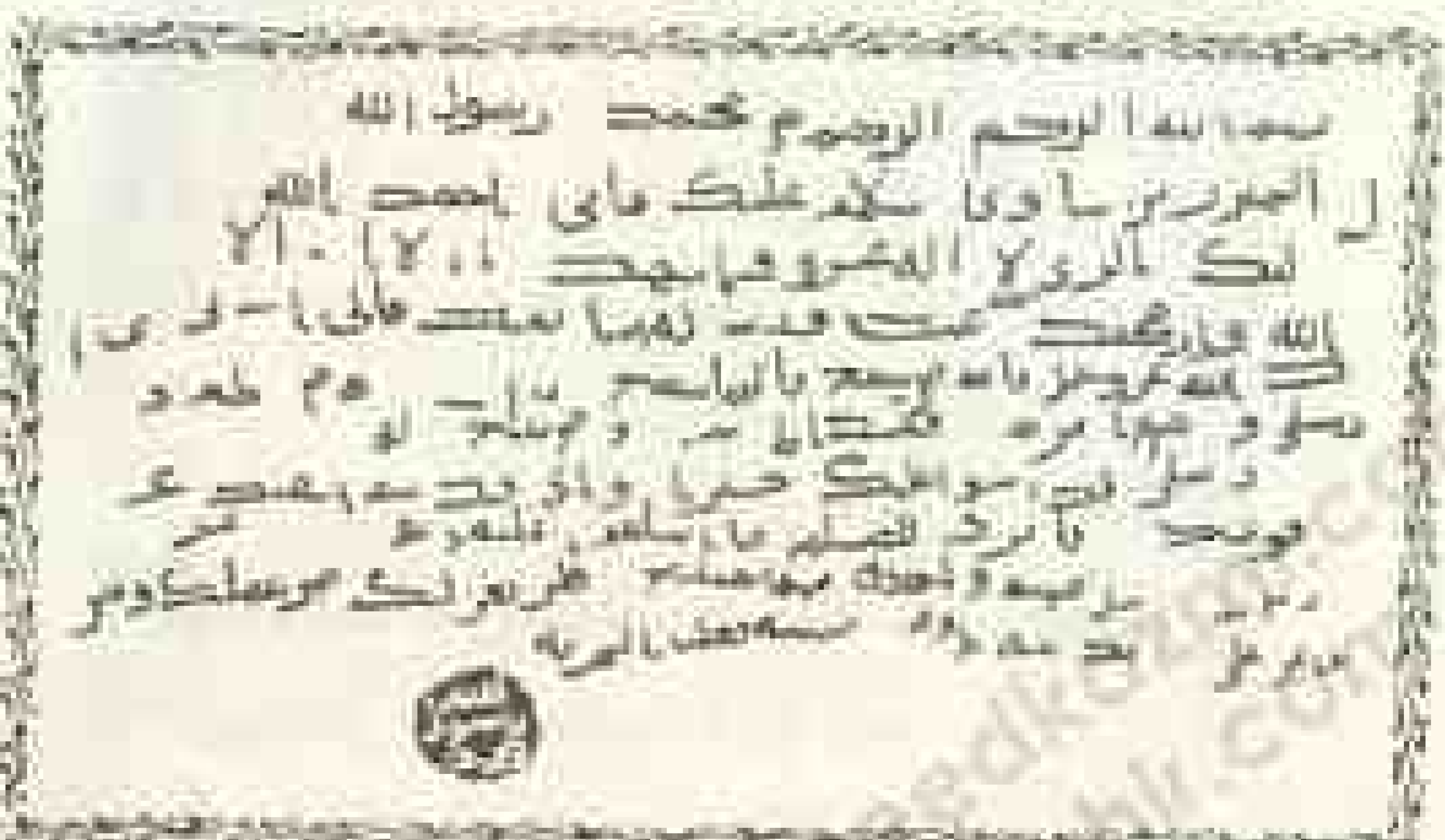

جب عہد اسلام میں عجمی اقوام کا دور آیا تو عجمی اقوام کی ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن مجید
میں اعراب، علامات اور نقطے لگائے جائیں تاکہ انھیں آسانی سے صحیح تلفظ ادا ہو سکے کیونکہ
اس وقت عرب کے علاوہ دوسری قومیں بھی کثرت سے تلاوت قرآن مجید کیا کرتی تھیں۔ اس لیے یہ امر ضروری
سمجھا گیا تو انھوں نے پہلے قرآن مجید میں نقطے اور اعراب لگوائے
گئے۔ یہ کام ایسا نہ تھا جس کے خلاف قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہیں ملتا
پہلی امت سے بھی ایسی کوئی بات ثابت ہوئی ہے جو اس کی وضاحت کرتا ہو اسی لیے جس کی
اصل ہمیں ملتی ہو اور وقت کے تقاضوں کی بنا پر یہ امر استعمال میں لایا گیا تھا۔ اس
بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حدیث کے الفاظ بھی قرآن و حدیث کے
مخالف نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ "كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" اور نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی، میں بدعت سے وہی نئی چیز مراد ہے جو قرآن سنت کے خلاف ہو، اور ہر وہ بدعت جو دین کے خلاف ہو گمراہی ہے۔ پھر اس تشریح سے یہ بات بھی عیاں ہو گئی کہ "كُلُّ مُحْدَثَةٍ" میں "کل" بعض اور کچھ کے معنی میں ہے کیونکہ تمام نئی چیزیں ایسی بدعت نہیں جو گمراہی ہوں، اور وہی نئی چیزیں قرآن و سنت کے خلاف ہوں گمراہی ہیں۔

تراویح ایک بہترین بدعت

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تراویح کی جماعت کا قیام ضروری قرار دیا تو ارشاد فرمایا "نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹) یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ (۱) اس فرمان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ہر بدعت گمراہی نہیں ہوتی ورنہ امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خلاف نہیں کرتے کہ گمراہی کی مدح بیان کرتے جیسے کہ فرمایا "نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔

(ب) بدعت کا آغاز خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد کا نہیں بلکہ ان کے زمانے میں بھی جو نیا کام ان سے ہوا "بدعت" ہے لیکن وہ ایسی بدعت نہیں ہے کہ گمراہی قرار دیا جا سکے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ خلفاء راشدین کے زمانے میں جو نئی چیزیں ظہور میں آئیں وہ بدعت ہونے کے باوجود بدعت نہیں، وہ بالکل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "كُلُّ بِدْعَةٍ

© www.arshadjaveedhome.com

ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) میں شامل نہیں، کیونکہ ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین (مشکوٰۃ، ص ۳۰) میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اور جو چیزیں ان کے دور کے بعد ظہور میں آئیں وہ کل بدعۃ ضلالۃ کے زمرے میں آتی ہے۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ خلفاء راشدین سے جتنے بھی نئے امور ثابت ہیں وہ کل بدعۃ ضلالۃ کے زمرے میں ہرگز نہیں آتے کیونکہ وہ تو ان کی اتباع ہے جیسا کہ خلفاء راشدین کے بعد قیامت تک آنے والے تمام نئے کام بھی اس حدیث میں شامل نہیں، جیسا کہ قرآن مجید کے مطالب کے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر نیا کام گمراہی نہیں ہے ملاحظہ ہو: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورہم شیء ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرہا ووزر من عمل بہا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارہم شیء (رواہ مسلم، مشکوٰۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالا اسے اس کا اجر ملے گا اور اس شخص کا اجر بھی اسے ملے گا جس نے بعد میں اس پر عمل کیا، لیکن دوسرے کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالا اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس شخص کا بوجھ بھی جو اس طریقے پر اس کے بعد عمل کرے گا لیکن دوسرے شخص کے بوجھ میں کمی نہیں ہوگی۔

اس حدیث مبارک سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ ہر نیا کام نئے ہونے کے باعث گمراہی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے من سن فی الاسلام (جس نے اسلام میں کوئی نیا طریقہ نکالا) فرما کر بتلا دیا کہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔

جس بدعت کی مخالفت دین میں نہ پائی جائے یعنی وہ اپنی اصل پر ہو جس کے حضور نے ترغیب دی ہے وہ بھی
اور دین سے بدعت کی تائید بھی ہوتی ہو۔ مثلاً تراویح کا باجماعت ادا کرنا۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے زمانہ اقدس میں یہ تراویح باجماعت طریق سے نافذ نہیں تھی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے اسے ادا فرمایا تھا۔ پس بعد میں تراویح کے باجماعت ادا کرنے اور قیام کو تقویت مل گئی
اسکی بدعت بھی کہ دین کی کسی خاص وجہ سے تقویت مل جائے وہ کم از کم مستحب ضرور ہو۔ چنانچہ
پس تراویح باجماعت ایک مستحب یعنی اچھی بدعت ہوئی اور اسکے استحباب کی طرف اشارہ حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول نعمت البدعة هذه میں ہے۔ یعنی یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔

وہ بدعت جس کی تائید دین میں نہ پائی جائے یعنی وہ اپنی اصل پر باقی ہو۔ مثلاً
بدعت، قرآن مجید کی طرف دیکھنا اور صرف و نحو کا سیکھنا اور مدارس کا قیام کہ ان کا وجود حضور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہیں تھا اور ان جیسے دیگر امور بھی جو تقویٰ کے موجب ہیں یہ مگر
بعض اوقات ان کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آج کل قرآن مجید
سمجھنے اور جاننے کے لیے عربی کا علم ہونا ضروری اور واجب ہے۔

علم دین کی تحصیل مدارس کے علاوہ گھروں میں بھی ممکن ہے۔ مگر جماعت کی خدمت کی غرض
سے دینی درسگاہوں کا قیام مستحب اور اچھا ہے۔

بعض بدعات ایسی ہوتی ہیں جن میں اللہ اور رسول کی رضامندی معلوم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ
مسجدوں کو رنگ و روغن اور نقش و نگار سے مزین کرنا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ لتزخرفنها
كما زخرفت اليهود والنصارى۔ ترجمہ: تم مسجدوں کو اس طرح مزین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ
نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا۔ انتہی

مساجد کی آرائش کو یہود و نصاریٰ کے فعل سے تشبیہ دینا رضامندی ظاہر نہیں کرتا لیکن
جب لوگوں کے مکانات اور گھر بڑے عالیشان تعمیر ہونے لگے تب جا کر مسجدوں کو بھی
مزین کیا گیا تاکہ جب لوگ گھروں سے مسجد میں آئیں اور انہیں حقیر نہ سمجھیں اور ان کے ...

اللہ کے گھر کی وقعت دل میں کم ہو جائے عظمت مساجد کی ایمان کے لئے ضروری بھی ہے
بزرگ مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنے کو بہتر تصور کرتے۔ کیونکہ اس دور
میں ہر فرد خود حضرت نبی نبوی مسجد کی طرف راغب ہوتا ہے جس میں با جماعت نماز ادا کی گئے
تھی با جماعت، وہ نیکی کا احساس ہوتا ہے وہ بھی مدنظر تھا۔ ان امور کی بنا پر مسجدوں کو مزین کرنا
مباح قرار دے دیا گیا۔ آج مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جن کی مسجدیں بغیر رنگ و روغن
کے ہوں۔ اس عمل کے مباح ہونے پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک
بھی شاہد ہے لا باس بنقش المساجد بماء الذھب۔ سونے کے پانی سے مسجدوں
کو منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مشکوۃ شریف) اس بدعت کی ابتدا حضرت عثمان غنی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوئی۔ مسجد نبوی شریف کے بارے میں سنن ابو داؤد میں ہے

"وغیرہ عثمان فزاد فیہ زیادۃ کثیرۃ وبنی جدارہ بالحجارۃ المنقوشۃ
والقصۃ وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ وسقفہ بالساج (ابو داؤد ج ۱ ص ۶۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف میں بہت زیادہ تبدیلیاں کیں
اس کی دیوار منقوش پتھر اور چونے گچ سے تعمیر فرمائی اور اس کے ستون بھی منقش پتھروں سے بنوائے
اور چھت ساگوان کی لکڑی سے۔ آپ غور فرمائیں یہ ایسی بدعت ہے جو تقاضہ وقت کی بنا پر
تعمیر پذیر ہوئی۔ اور اس دور میں تمام مکاتب فکر کے علماء اس بدعت میں حضرت عثمان غنی کے
مقلد ہیں۔

یہاں پر شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ناپسندیدگی کے باوجود مسجد نبوی شریف کو مزین کیوں کیا؟ اس بارے میں گزارش ہے کہ
حدیث مذکور میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا تزئین مساجد کی ناپسندیدگی کا پہلو یہ بھی تھا کہ یہود و نصاریٰ
کا اپنی عبادت گاہوں کو مزین کرنا ایک نمود ہے پر فخر و تکبر کی بنا پر ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے
تزئین مساجد آج بھی قطعاً جائز نہیں۔ اگر بہ نیت خلوص ایسا کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔

جدید مسائل کا حل

ہر دور میں پیش آمدہ نت نئے مسائل کا ذکر شریعت میں صراحتاً نہیں مگر تمام مسائل کا ذکر ہوتا تو امت کے سو میں تفرقہ اور جھگڑا کبھی نہ ہوتا۔ اب رہی نئے مسائل کا حل نکالنا ہے جس میں ہر مسلمان کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جس کام کی اصل دین میں پائی جائے یعنی قرآن سنت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہو تو اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دینی تعلیمات ایک حد تک ہیں اور نئے مسائل کے لئے کسی اور دین کی ضرورت ہے۔ (معاذ اللہ) ہم ان مسائل کے حل کے لئے نئے احکام الٰہی لانے حالانکہ آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی ہیں۔

اب ہم ان چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں کچھ لوگ بدعت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت سے ان امور کی تائید ہوتی ہے۔ درود شریف ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ آیت کریمہ میں وقت کی قید نہیں لگائی نہ حالت کی اور انفرادی یا اجتماعی کی۔ ہر جگہ ہر وقت اجتماعی و انفرادی اور ہر اس حالت میں درود و سلام پڑھنا جائز ہے جس کی نفی شریعت محمدیہ میں نہیں۔

غور فرمائیے، اذان سے پہلے یا اذان کے بعد درود و سلام پڑھنے کی نفی کیا اس شریعت محمدیہ میں ہے؟ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اذان کے بعد دعا سے وسیلہ سے پہلے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص انه سمع النبي صلى الله عليه وآله وسلم يقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي

© [illegible] © [illegible]

فانہ من صلّٰی علیّ صلوٰۃً صلّی اللہ علیہ عشراً ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ (مسلم۔ ص ۱۶۶ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتا ہے پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو، جو جنت میں ایک مقام ہے۔

اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں ملتا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے آپ نے پڑھنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اذان کے قبل یا بعد درود وسلام نہ پڑھو کیونکہ یہ اذان کا حصہ بن جاتا ہے تو سورتوں کے شروع میں بسم اللہ بھی تو قرآن کا حصہ بن جائیں گے۔ اگر کوئی شخص ایک حدیث بھی ایسی پیش کر دے جس میں اذان کے بعد یا قبل درود وسلام کی نفی ہو تو ہم حتمی طور پر ترک کر دیں گے۔

اس کے علاوہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اذان کے بعد درود وسلام پڑھنے کی کوئی اصل ثابت نہیں، اور یہ بدعت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے درود پڑھو کا صیغہ جمع ہے اور یہ تمام زمانوں کے لئے ہے اور درود وسلام پڑھنے کی تاکید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ مختلف اوقات میں بالالتزام طریقے سے درود وسلام پڑھنے کو بدعت کہنا آیت کریمہ کے عموم کی مخالفت ہے۔

اگر کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جس جگہ تم درود وسلام پڑھتے ہو اس جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں پڑھنا ثابت نہیں تو یہ بات بے معنی ہے کیونکہ مسجد میں درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت تو صرف مسجد تھی، جو دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں پختہ نہیں ہوتی تھی، لہٰذا یہ سب بدعت کے زمرے میں آ جائیں گی۔ اگر بدعت کی خود ساختہ تعریف کو مانا جائے تو پھر ساری عمارت منہدم ہو کر رہ جائے گی۔

تیجا، چالیسواں اور بزرگان دین کے عرس کو بھی بڑی بدعت گناہ و رسومات کہتے ہیں۔ ان تمام امور کی مخالفت قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ہے بلکہ یہ سب اپنی اصل پائے جانے کی وجہ سے جائز ہیں۔ بلکہ شریعت مطہرہ میں ان کی تائید موجود ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

فرجم فلبثوا يومين او ثلاثة ثم جاء رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم (مشکوٰۃ ص ۳۱۲)

پھر حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے دو تین دن کے بعد ارشاد فرمایا ماعز بن مالک کے لئے استغفار کرو کہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو ایک امت پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ ان تمام کو کافی ہو جائے۔

اس حدیث مبارکہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ میت کے لئے دو تین دن کے بعد دعائے مغفرت کی گئی

۲۔ دعائے مغفرت فقط گناہ گاروں کے لئے ہی نہیں بلکہ مرتبہ میں اضافہ کا باعث بھی بنتی ہے۔

اگر یہ بات میت کے لئے کھانا سامنے رکھ کر دعا کی ثابت نہیں تو یہ بات کوئی مخالفت میں نہیں رکھتا تائید میں ہے کیونکہ ہم نے کھانا یا نماز اور حج کیے یہ مخالفت نہیں اگر یہ دونوں امور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الگ الگ ثابت ہوتے تو مخالفت کے درجے میں ہوتے کیونکہ ان دونوں کا ثبوت مختلف مواقع پر ہوا اس لئے ان کے جمع کر دینے میں بھی کچھ حرج نہیں بلکہ عین ثواب ہے۔

کسی اچھے عمل میں دن کا تقرر حدیث سے ثابت ہے۔

بخاری شریف میں ہے (عن ابی وائل قال کان عبد اللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمن لوددت انک

ذکرتنا کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بالموعظۃ کما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتخولنا بہا مخافۃ السامۃ علینا۔ (بخاری شریف ص۱۶ - ج ۱)

اور اس نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعرات کے روز لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے کسی شخص نے ان سے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر روز ہمیں وعظ فرمایا کریں۔ تو آپ نے فرمایا مجھے یہ چیز روکتی ہے کہ میں تمہیں ملالت میں مبتلا کروں اور میں نے تمہارے لئے وعظ کے دن مقرر کیا ہے جس طرح کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ملالت سے بچانے کے دن مقرر کیا ہوا تھا۔

الحمد للہ ہم نے دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی کہ [illegible] کو بدعت کہنا عقل و نقل کے خلاف ہے۔

سید ارشد سعید کاظمی

[illegible]

[illegible]

© www.arshadsaeedkazmi.com © www.harfeadab.com

بدعت کا اشتہار

"تراویح با جماعت کا رواج" بدعت

"قرآن مجید پر نقطے اور اعراب" بدعت

"مسجدوں کا مزین کرنا" بدعت

جب یہ تمام بدعتیں، بدعت ہونے کے باوجود ایسی ہیں جو جائز ہیں کہ قرآن و سنت میں ان کی مخالفت نہیں تو بزرگان دین کے اعراس، تیجہ، چالیسواں، ختم شریف، بعد کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا کیوں بدعت ہے جب کہ شریعت محمدی میں ان کے خلاف کوئی حکم نہیں۔ البتہ شیعوں کا ماتم کرنا بدعت ہے کیونکہ اس کے خلاف ارشاد حبیب کبریا موجود ہے جس کا بیان ہو چکا ہے۔

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ

(الحدیث)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا

تسکینِ دل

© www.arshadsaeedkazmi.com © [illegible]

الانتساب

یہ تحریر دراصل اُن اوقات کا ثمر ہے جو میں نے اپنے والد کے حضور ساری ساری رات دو زانو بیٹھ کر پڑھتے پڑھتے گزارے۔ اور جب مؤذن اذانِ فجر دیتا تو فرماتے یہ کیا؟ اتنی جلدی۔ تو میں عرض گزار ہوتا کہ وقت صلوٰۃ فجر ہو گیا ہے۔
یہ ان کی ذرہ نوازی کا نتیجہ ہے کہ آج مجھ جیسا طالب علم والدینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحریر کر رہا ہے۔ ایک عربی شاعر کے چند مصرعے یاد آ گئے

زَعَمَ الْمُنَجِّمُ وَالْحَكِيمُ كِلَاهُمَا
أَنْ لَا تُحْشَرَ قُلْتُ إِلَيْكُمَا
إِنْ كَانَ قَوْلُكُمَا فَلَسْتُ بِخَاسِرٍ
إِنْ كَانَ قَوْلِي فَالْخَسَارُ عَلَيْكُمَا

یعنی نجومی اور فلسفی دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ میدانِ حشر برپا نہ ہوگا اگر تمہاری بات سچ ہے تو مجھے کوئی نقصان نہیں اور اگر میری بات سچ ہے تو نقصان تمہارا ہے اور جو نقصان ہوگا وہ تمہارا اپنا ہے وہی ان کے لیے ہے۔ راقم الحروف بھی یہی کہتا ہے کہ سرکار کے والدین کریمین کو مومن تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ سعادت ہے روزِ قیامت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا منہ دکھاؤ گے ۔۔۔ ذرا سوچیں تو سہی کہ جو تمام کائنات میں وجہ تخلیق کائنات ہیں اور ان کے والدین ایمان سے محروم ہوں ۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا

سید ارشد سعید کاظمی

دو اہم سوالات اور اُن کے جوابات

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کافر و مشرک تھے (معاذ اللہ) یا مومن؟!

۲۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا یا چچا کا؟!

جوابات سے قبل سوالات کی تشریح ملاحظہ ہو

ا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام حضرت عبداللہ اور آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مبارک سیدہ آمنہ ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ب۔ زمانہ فترت اُسے کہا جاتا ہے جس میں سابقہ انبیاء کرام کی تعلیمات نسیاً منسیاً و بھولی بسری ہو چکی ہوں اور اس دور میں کوئی نبی اپنی تعلیمات کے ساتھ موجود نہ ہو۔

ج۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تحریف ہو جانے کے بعد سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت تک کے دور کو "زمانہ فترت" کہا جاتا ہے۔

د۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

سوال نمبر ۱، والدین مصطفےٰ کے بارے میں تھا جس کا جواب یہ ہے شریعت کا قانون ہے کہ جب تک کسی چیز پر دلیل نہ ہو اُس پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے عقیدۂ کفر و شرک پر کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے اُنہیں کافر و مشرک کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر والدین مصطفےٰ کے شرک و کفر پر برہان نہیں تو ان کے ایمان پر بھی تو کوئی دلیل نہیں۔

اس بارے میں اتنا تو حق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کی ظاہری زندگی زمانۂ فترت میں گزری اور زمانۂ فترت کا ایمان یہی ہے کہ شخص مشرک نہ ہو۔ یعنی غیر اللہ میں سے کسی کی پرستش نہ کرتا ہو۔ بلکہ موحد ہو۔ اور حضرت عبداللہ (اللہ کا بندہ) رضی اللہ عنہ کے نام مبارک سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے قائل اور موحد تھے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان اشعار سے بھی عقیدۂ توحید اور ملت ابراہیمی پر قیام ظاہر ہوتا ہے۔ جو آپ نے بوقت وصال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمائے۔ اس وقت سرکار کی عمر مبارک تقریباً ۶ برس تھی۔

بارک اللہ فیک من غلام   یا ابن الذی من حومۃ الحمام

اے صاحبزادے! اللہ آپ میں برکت عطا فرمائے۔ اے اس ذات کے بیٹے جس نے موت کی سختی سے نجات پائی۔

دین ابیک البر ابراہام   فاللہ انہاک عن الاصنام

آپ کے باپ کا دین پیارے ابراہیم کا دین تھا (چونکہ آپ کو بھی اسی مت پر رہنا ہے) پس اللہ نے آپ کو بتوں کی پرستش سے روکا ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

اگر نبی مکرم کے والدین جیسے اہل فترت سے ہیں تو پھر بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ جنتی ہوں کیونکہ اہل فترت کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث مبارکہ ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا تو بروز محشر امتحان لیا جائے گا۔

خلاصہ احادیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اہل فترت

کے انجام کے بارے میں پوچھا گیا تو سرکار نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا امتحان لے گا۔ جو اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے انہیں جنت میں داخل فرمائے گا، اور جو ناکام ہوں گے وہ داخل جہنم۔ کیونکہ وہ روزِ قیامت عرض کریں گے اے پروردگار! تو نے ہمارے زمانے میں کوئی نبی کیوں نہ بھیجا اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات نسیاً منسیا اور فضول لایعنی ہو چکی تھیں۔ اگر ہم اپنے زمانہ میں کسی نبی کو پاتے اس کی ضرور اتباع کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن سے اپنی اطاعت کا اقرار لے گا کہ تم میری اطاعت کرتے ہو؟ وہ عرض کریں گے ہاں! ہم تیرے مطیع ہیں۔ رب انہیں ارشاد فرمائے گا اگر تم میری تابعداری کرتے ہو تو میرا حکم ہے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ اور جہنم کو فرمائے گا ان میں سے جو بھی مجھ میں آئے تو اس کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک بن جانا جو شخص اطاعت کرے گا تو وہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور جہنم سے دور کرے جو نافرمانی کرے گا اسے فرمائے گا کہ آج تو براہ راست میری نافرمانی کرتا ہے۔ اگر تیرے پاس میری کتاب و حکمت لے کر آتا تو اس کی کیا حکم عدولی کرتا۔ بس اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

احادیث کے خلاصے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اہلِ فترت کے جنتی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ تو روزِ قیامت ہو گا۔ قبل از وقت فیصلہ نہیں دیا جا سکتا جیسے اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین طیبین کے بارے میں یہ بات کہنا کہ وہ جنتی ہیں کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں اتنی گزارش ہے تمام اہلِ فترت کے بارے میں یہ حکم لگا دینا کہ قیامت کے دن اُن کا امتحان لیا جائے گا قطعاً درست نہیں۔

کیونکہ حدیث کا مطلب اگر یہی ہے کہ تمام کا امتحان لیا جائے گا تو ان مشرکین کا بھی امتحان لیا جانا چاہئے جنہوں نے زمانہ فترت میں شرک کیا لیکن مشرکین چاہیے

زمانہ فترت کے ہوں یا اس کے علاوہ تمام بغیر امتحان داخل جہنم ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے۔ اس لئے یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ حدیث امتحان اہل فترت کے ایک خاص طبقہ سے متعلق ہے۔ وہ طبقہ کونسا ہے؟ اس کی تشریح حاضر خدمت ہے۔

اہل فترت تین طرح کے ہیں

۱۔ وہ لوگ جو انبیاء کرام کی تعلیمات کے باقی نہ رہنے کے باوجود موحد ہوں۔
۲۔ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی پوجا کریں۔ یعنی شرک کریں۔
۳۔ جو نہ تو موحد ہوں اور نہ مشرک۔ بلکہ غفلت میں ہوں یا ان کی عقل متردد اور حیرت میں ہو۔

حدیث امتحان سے تیسری قسم کے لوگ مراد ہیں

کیونکہ جو مشرک ہیں ان کے لئے تو کوئی جائے پناہ نہیں اور جو موحد ہیں تو مومن ہیں۔ ان کے ایمان کی دلیل یہ ہے کہ زمانہ فترت میں نبی کی تعلیمات ختم ہو چکی ہوتی ہیں اس لئے اہل فترت پر لازم نہیں کہ وہ کسی نبی کا کلمہ پڑھیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں اور اب ایمان کے لئے یہ شرط باقی رہ گئی کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں اسی لئے تو ہم یہ بات کہتے ہیں "اہل فترت کا ایمان یہی ہے کہ وہ موحد ہوں۔ یعنی اللہ کو ایک مانیں اور جو مومنین ہیں ان کا بسیرا جنت ہی میں ہوگا۔ پس جب مشرکین جہنمی اور موحد مومن ہونے کی بنا پر جنتی ہوئے تو ثابت ہوا کہ حدیث امتحان انہی لوگوں کے بارے میں ہے جو متردد یا غفلت میں ہوں گے اور جب سرکار کے والدین کریمین کے بارے میں ثابت ہو چکا کہ وہ موحد ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ میرے آباؤ اجداد سے زنا کا بھی ارتکاب کبھی نہیں ہوا، چہ جائیکہ شرک۔ تو کیا ایسی مقدس ہستیوں کو حدیثِ امتحان میں شامل کرنا انصاف کے برخلاف نہ ہوگا؟

والدین مطہرین قرآن و حدیث کی روشنی میں

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (الشعراء آیت ۲۱۹)

ترجمہ: اور اللہ دیکھتا ہے آپ کے پلٹنے کو سجدہ کرنے والوں میں۔

امام جلال الدین سیوطی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہما اس آیت کریمہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ دیکھتا ہے آپ کے نور اور حقیقت کو مومنین کی پشتوں اور شکموں میں منتقل ہوتے۔ اس آیت میں ساجدین (سجدہ کرنے والے) افرادِ مومنین کی طرف کی گئی ہے جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک تمام مومنین ہیں۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میں اصلابِ طیبہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوا یعنی پاک والدوں سے پاک والدات میں منتقل ہوا۔

تنبیہ: قرآن مجید میں ہے: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ "کہ مشرک تو سراپا نجاست ہیں۔ جب قرآن مجید کی رو سے مشرکین نجس اور سرکار کے فرمان کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد تمام پاک ہوئے تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک ہو۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

مسلم شریف میں حدیث ہے کہ سرکار نے اپنی والدہ کی زیارت قبر کی ہے۔

رب سے اذن طلب کیا، اجازت ملنے کے بعد جب آپ اپنی والدہ کی تربت پر پہنچے تو فرطِ محبت سے گریہ فرمایا اور اپنے رب سے استغفار کرنے کی اجازت مانگی نہیں آپ کو دعائے مغفرت کرنے کی اجازت دی۔ دعاء مغفرت سے روکنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مومنہ نہ تھیں (العیاذ باللہ) اس بارے میں اتنا عرض ہے، اگر دعائے مغفرت کرنے کی اجازت اس لئے نہیں ملی تھی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافرہ تھیں (معاذ اللہ) تو حضور علیہ السلام ان کی قبر پر نہ جاتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں منکرین کی قبروں کے بارے میں حکم ہے۔ "وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ" (التوبہ، آیت ۸۴) اے حبیب! آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں مرے۔

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ منکرین کی قبروں پر جانا تو درکنار وہاں لمحہ بھر کے لئے ٹھہرنا بھی روا نہیں ہے۔ لیکن سرکار کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کا قصد فرما کر وہاں تشریف لے جانا ان کے مومنہ ہونے کی دلیل ہے۔ رہا یہ سوال کہ استغفار کی اجازت کیوں نہ ملی؟ اس بارے میں گذارش ہے کہ دعائے مغفرت کا اذن حاصل نہ ہونا اس بناء پر تھا کہ کسی کا ذہن ان کے گنہگار ہونے کا وہم پیدا نہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قبر انور پر جانا حضرت آمنہ کے ایمان کی دلیل اور استغفار کی اجازت نہ ملنا لوگوں کو عقیدۂ فاسدہ سے بچانے کے لئے تھا کہ کہیں لوگ ان کے گنہگار ہونے کا قول نہ کر لیں کہ وہ کہیں اگر آمنہ گنہگار نہ ہوتیں تو حضور استغفار کیوں کرتے۔

"اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النَّارِ" (الحدیث)

علماء نے اس حدیث میں اختلاف کیا ہے کیونکہ اس کے متن اور سند

[illegible] [illegible]

دونوں میں کلام ہے۔ جس کی تفصیل امام جلال الدین سیوطی کی کتاب "التعظیم والمنة" اور علامہ نبہانی کی کتاب "جواہر البحار" میں دیکھیں۔ لیکن بر تقدیر صحت حدیث اس کا مفہوم یہ ہے کہ میرا حاشیت کا چچا ابولہب اور تیرا باپ جہنم میں ہیں۔ لفظ "اب" کلام عرب میں والد کے لئے ہی نہیں بلکہ چچا وغیرہ کے لئے بھی مستعمل ہے۔ جس کی تفصیل سوال نمبر ۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

انکشاف: حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والدین کی قبروں پر تشریف لے گئے اور انہیں زندہ کر کے کلمہ پڑھایا۔ سرکار کے والدین کا کلمہ پڑھنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کی فضیلت حاصل کرنے کی بنا پر تھا۔ کیونکہ وہ مومن اور موحد تو پہلے ہی سے تھے۔ جو ان کی نجات کے قائل ہیں۔

سوال ۲: آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا یا چچا کا؟

تشریح سوال: اگر یہ کہا جائے کہ آزر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں تھا تو یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں صراحت ہے۔ "وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ" اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ آیت مذکورہ میں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا "اب" کہا گیا ہے۔

اور اگر یہ قول کیا جائے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا تو قرآن مجید میں آزر کو بتوں کا پجاری کہا گیا ہے۔ سورۃ انعام کی آیت ۷۴ میں ہے۔ "اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً" الآیۃ (اے آزر! تو بتوں کو معبود بناتا ہے میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔"

خلاصہ کلام: یہ ہوا کہ آزر کو والد تسلیم نہ کریں تو قرآن مجید میں اس کے برعکس اسے "اب" یعنی باپ کہا گیا ہے اور اگر والد مانیں تو قرآن کی رو سے وہ مشرک تھا۔

آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد بھی تسلیم کریں اور مشرک بھی تو یہ قباحت لازم آئے گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شجرہ نسب شرک سے مبرا اور مصفا نہ رہے گا۔ کیونکہ سرکار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

جواب

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا "اب" تو ضرور تھا مگر والد نہیں کیونکہ لفظ "اب" اور "والد" میں فرق ہے۔ "اب" کا لفظ عربی زبان میں والد، چچا اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن والد صرف حقیقی باپ ہی کو کہا جاتا ہے۔ کہ جن کی صلب سے وہ ہو۔

لفظ "اب" کی تحقیق

"اب" کے معنی غذا دینے اور تربیت کرنے کے ہیں۔

مثلاً عرب کہتے ہیں "اَبَوْتُہٗ" "میں نے اس کو غذا دی"

"اَبَوْتُ الْقَوْمَ" "میں نے قوم کی تربیت کی"

"فُلَانٌ یَأْبُوْ الْیَتِیْمَ" "فلاں نے یتیم کی کفالت کی"

والد، چچا، دادا کو بھی "اب" کہنے کی یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے، بھتیجے، پوتے کی تربیت، پرورش اور کفالت کرتے ہیں جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا "رُدُّوْا عَلَیَّ اَبِیْ" "میرے چچا عباس کو میری طرف بھیجو"

یہ بات واضح رہے کہ باپ، چچا وغیرہ چاہے اولاد کی ذرا بھی دیکھ بھال نہ کریں تب بھی ان کو "اب" کہا جائے گا کیونکہ افراد مذکورہ کو "اب" قرابت کے اعتبار سے

کہا جاتا ہے۔ یہ افراد کے علاوہ ہے یعنی یہ فطری تقاضا ہے کہ وہ اولاد کی تربیت کریں۔

جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لہب کے بارے میں لفظ اب ارشاد فرمایا حالانکہ ابو لہب نے حضور کی تربیت نہیں کی۔ الفاظ حدیث یہ ہیں: اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّارِ "میرا باپ یعنی چچا ابو لہب اور تیرا باپ جہنم میں ہے۔"

خلاصۂ کلام: یہ ہوا کہ والد، چچا، دادا اولاد کی تربیت کریں یا نہ کریں انہیں "اب" کہہ سکتے ہیں اور اسی طرح اردو زبان میں بھی باپ اور والد میں فرق ہے کہ "باپ" والد، چچا، اعلیٰ مرتبہ بزرگ ہستی کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن "والد" صرف حقیقی باپ کے لئے ہی مستعمل ہے۔ (فرہنگ آصفیہ اردو لغت) اس "اب" کا ترجمہ باپ ہے والد نہیں۔

توجہ فرمائیے: قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے "اب" (باپ) سے کہا "تم بتوں کی پوجا کرتے ہو" حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہونے کے باوجود ارشاد فرمایا "میں ہمیشہ پاک صلبوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے اس تعارض کو کس طرح دور کیا گیا ہے اس بارے میں اتنا عرض ہے یہ اصول ہے کہ جب قرآن و حدیث آپس میں بظاہر متعارض ہوں تو ان میں مطابقت کی کوشش کرنی چاہئیے تاکہ دونوں کی عظمت برقرار رہے۔ اور یہاں پر مطابقت کی صورت یہ ہے کہ "اب" کے معنی چچا کے بھی ہیں جس طرح امام رازی اور دیگر علماء نے فرمایا کہ آزر چچا ہی تھا والد نہیں۔ تو اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کا پجاری اپنے چچا کو کہا والد کو نہیں اور حضور کے فرمان کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد مومن موحد تھے کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی جد امجد ہیں۔

آزر قرآن کی روشنی میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو بہت سمجھایا کہ ہدایت کی راہ یہی راہِ نجات ہے۔ ایمان لے آؤ اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کر لو۔ چونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتا تھا اس لیے کھلم کھلا اکابر وقت کے خلاف کچھ نہ کہتا اور اس بات کو ٹال جاتا کہ بالآخر کسی حیلے سے میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ مسلسل اسے اسلام کی طرف راغب کرتے رہے اور اس پر احسان فرماتے تھے، یہ وعدہ بھی کر لیا کہ میں تیرے لیے اللہ سے مغفرت کروں گا۔ پھر اسی وعدہ کی وجہ سے اس کے لیے مغفرت فرمائی مگر جب اس کا دشمنِ دین ہونا واضح ہو گیا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ اس واقعہ کو قرآن مجید میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (الانعام آیت ۷۴)

"اور جب ابراہیم نے اپنے چچا آزر سے کہا کیا تو بتوں کو الٰہ مانتا ہے؟ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔"

"إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ" (الممتحنہ آیت ۴)

"مگر ابراہیم کا اپنے چچا سے کہنا: میں تیرے لیے استغفار کروں گا۔"

"وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ" (الشعراء آیت ۸۶)

"اے رب! تو میرے چچا کو بخش دے اس میں شک نہیں کہ وہ گمراہوں میں سے تھا۔"

"وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ" (التوبہ آیت ۱۱۴)

"ابراہیم کا اپنے چچا کے لیے استغفار محض اس وعدے کی بنا پر تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا (کہ میں تیرے لیے اللہ سے مغفرت کروں گا)۔"

"فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ" (التوبۃ: آیت ۱۱۴)

"پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن تھا تو وہ اس سے بری الذمہ ہو گئے"

آیات مذکورہ میں آپ سے خطاب فرمایا آزر کو "اب" ترجمہ کیا گیا ہے مگر والد نہیں۔ چونکہ "اب" اور "باپ" دونوں کا اطلاق والد پر، ذرا تامل پر ہوتا ہے۔ اس لیے اب کا ترجمہ باپ سے والد نہیں۔ مگر یہاں اب سے مراد چچا ہی ہے اس لیے ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا۔ تاکہ مغالطہ نہ رہے اور کمزور فراست شخص کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے

آزر کو عم (چچا) کہہ کر خطاب کیوں نہ کیا گیا

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ آزر کافر ہونے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتا تھا اور اس نے آپ کی خدمت و کفالت بھی کی۔ اس لئے لفظ "اب" کو ذکر کیا گیا۔

کیونکہ خدمت و کفالت کے جو معنی لفظ "اب" سے مفہوم ہوتے ہیں وہ "عم" سے نہیں۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت

قرآن مجید کی آیت وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ میں اگر "ابیہ" پر اکتفا کیا جاتا تو بھی مفہوم واضح تھا لیکن اس کے بعد قصداً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر کے نام کو ذکر فرما کر اس حکمت کا اظہار کیا کہ یہاں "اب" سے مراد سیدنا ابراہیم کے حقیقی باپ "تارح" نہیں بلکہ آپ کا چچا آزر ہے۔ اور پسندیدہ قول یہی ہے کہ آپ کے والد کا نام "تارح" اور چچا "آزر" تھا۔

والدین ابراہیم علیہ السلام اور قرآن مجید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (ابراھیم۔ آیت: ۴۱)

"اے ہمارے رب! تو مجھے میرے والدین اور تمام مومنین کو بخش دے۔"

آیت مذکورہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کا ذکر خواہ صراحت سے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں مومن تھے۔ والدین کا بالخصوص ذکر اس لیے کیا گیا کہ آزر کے لیے جو لفظ "اب" بولا گیا اس کا ازالہ ہو جائے کہ وہ چچا تھا۔ اور یہ والدین ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور مومنین کے درمیان ان کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ وہ بھی مومن تھے کیونکہ نبی اور مومنین کے درمیان کافروں کا ذکر کیا حقیقت رکھتا ہے۔

سید ارشد سعید کاظمی

مدرس مدرسہ انوار العلوم۔ ملتان

۲۰ فروری ۱۹۹۰ء بروز جمعہ

حبیبی یا رسول اللہ

میلاد النبی ﷺ

© www.arshadsaeedkazmi.com
© www.harfeakhir.com

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد

ظہور قدسی

محترم حضرات! آج ۱۲ ربیع الاول کا مقدس اور مبارک دن ہے آج کے روز سید الانبیاء جناب محمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گلشن ہستی میں جلوہ گر ہوئے اور یہ کائنات اس سراج منیر کے نور مبین سے جگمگا اٹھی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ (سورۃ ابراہیم آیت: ۵)

ترجمہ: اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ اس امر سے شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان ہے تاکہ اس بابرکت دن کی یاد تازہ کرتا ہے جو سید ایام اللہ یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت ہے

میلاد شریف کی شرعی حیثیت

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد یعنی منایا جانا مستحب ہے۔ سنت ہے یا واجب یہ دوسری بحث ہے۔ اس بارے میں مختلف آراء ملتی ہیں۔ مستحب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ "البدایہ والنہایہ" کے مطابق جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی اس تاریخ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اچھے اچھے کھانے پکاتے اور خوشی منایا کرتے تھے میلاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہتمام کو سنت جس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیشہ پیر کے دن

روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: وُلِدْتُ فِیْہِ یعنی میں اس دن میں پیدا ہوا، روزہ رکھتا ہوں کہ میری پیدائش اس دن ہوئی۔

جشن ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ کا دوسرا ماخذ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی نعمتوں کو یاد کرتے رہنے کا حکم دیا، ارشاد ہوا:

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحیٰ آیت: ۱۱)

ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ پھر فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (سورۃ الفاطر آیت ۳)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو۔ ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور ضروری ہے کیونکہ ان آیات میں حکم دیا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خوب ذکر اور چرچا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ ہیں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ قرآن مجید نے فرمایا، ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جب ان میں رسول بھیجا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کو احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ احسان ہر بڑی نعمت پر ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ نعمت قرار پائی۔ اب دیکھئے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی قوم میں انبیاء کی بعثت کو نعمت الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں آیا ہے:

یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ (سورۃ المائدہ آیت: ۲۰)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جب اس نے فرعون سے نجات دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

اُذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورۃ الاعراف، آیت ۶۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اہلِ سنت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی نعمتیں ہیں ان کا ذکر باعث فلاح و نجات ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں عظیم ترین نعمت ہیں اس لئے آپ کا ذکر خیر دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اور محافل میلاد کا انعقاد تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پاک کے لئے ہی ہے۔

قاسم نعمت

بحمداللہ ان آیات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا لانا اور تحدیثِ نعمت کرنا ضروری ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انما انا قاسم واللہ یعطی" یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو میں ہی تقسیم کرتا ہوں۔ ایسے سرچشمۂ رحمت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ہم جتنا بھی خدا کا شکر کریں، خوشی منائیں، محافل سجائیں بالکل جائز اور روا ہے۔

مسرتِ ولادت یا غمِ وصال

رہا یہ امر کہ بارہ ربیع الاول شریف میں سرکار کی پیدائش ہے تو وصال بھی بارہ ربیع الاول شریف میں ہوا۔ وہاں ضرور پیدائش کی خوشی منائی جائے یا غمِ وصال۔ اس سلسلے میں احادیث ملاحظہ فرمائیں جن کو بنیاد بناتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا کیلنڈر تیار کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۱: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ایک یہودی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا اے امیر المومنین آپ اپنی کتاب میں ایک آیت تلاوت کرتے ہیں اگر ایسی آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

آیت کونسی ہے تو اس نے عرض کی وہ آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت کس مقام پر اور کس دن نازل ہوئی۔ یہ دوران حج ۹ ذی الحجہ مقام عرفات میں جمعۃ المبارک کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔ (مسلم شریف، ج ۲، ص ۴۲۰)

حدیث نمبر ۲: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض وصال کے دوران صحابہ کرام کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پیر کا دن آگیا لوگ صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی اثنا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اس وقت آپ کا چہرہ مبارک قرآن کا ورق معلوم ہوتا تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت پیارے مسکرائے۔ پس ہم لوگوں نے خوشی اور محبت کی وجہ سے دوران نماز یہ چاہا کہ حضور کو ہی دیکھتے رہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھے ہوئے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں تشریف لائیں گے مصلیٰ امامت سے الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تاکہ وہ صف میں شامل ہوجائیں اور سرور کائنات مصلیٰ امامت پر نماز باجماعت کروائیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اشارے سے فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پھر آپ نے دوبارہ پردہ لٹکا دیا۔ اسی پیر کے دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا۔ (بخاری شریف، ص ۹۳، ج ۱)

وضاحت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج فرمایا تھا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اور اس کے تین ماہ بعد آپ کا وصال ہو گیا یعنی ذی الحجہ میں حج ہوا پھر محرم، صفر کے بعد ربیع الاول شریف میں آپ کا وصال ہوا۔

خلاصہ کلام

کہ حجۃ الوداع ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ جمعہ کا دن تھا جس طرح حضرت عمر بن خطاب

کے قول سے واضح ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال پیر کے دن ہوا تو اس صورت میں ۱۲ ربیع الاول شریف پیر کا دن نہیں بنتا تو اب درمیانی مہینوں کو تیس تیس دنوں کا تسلیم کریں یا انتیس کا یا بعض کو انتیس کا اس کا نقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما کر فیصلہ کریں کہ کیا ۱۲ ربیع الاول پیر کا دن ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں ہو سکتا تو یہ بات تسلیم کریں کہ ۱۲ ربیع الاول شریف یوم وصال اور یوم عرس نہیں ہے جو خود وصال تو بروز پیر ہوا اور کسی طرح بھی ۱۲ ربیع الاول پیر کا دن نہیں بنتا بلکہ ۱۲ ربیع الاول شریف تو یوم پیدائش رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور پیدائش کی خوشی منانا کسی دلیل شرعی سے ممنوع و ناجائز نہیں

قول اول تیس تیس کے

محرم — ذوالحجہ

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۱							۲						
۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۹ حج	۸	۷	۶	۵	۴	۳
۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰
۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷
۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳		۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴

ربیع الاول — صفر

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۶	۵	۴	۳	۲	۱		۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸
							۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵
							۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲
									۳				۲۹

قول دوم انتیس کے

محرم — ذوالحجہ

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱	۲	۱					
۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۹ حج	۸	۷	۶	۵	۴	۳
۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰
۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷
					۳۰	۲۹	۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴

© www.[illegible].com
© www.[illegible].com

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۳	۲	۱					۵	۴	۳	۲	۱		
۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶
					۱۲	۱۱	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳
							۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰
										۳۰	۲۹	۲۸	۲۷

[illegible]

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۱						۳۰	۲	۱					
۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	[illegible]	۸	۷	۶	۵	۴	۳
۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰
۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷
۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۵	۴	۳	۲	۱			۶	۵	۴	۳	۲	۱	
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷
							۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۴
							۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	۲۱
											۳۰	۲۹	۲۸

[illegible]

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱	۲	۱					
۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	[illegible]	۸	۷	۶	۵	۴	۳
۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰
۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷
						۲۹	۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
۴	۳	۲	۱				۶	۵	۴	۳	۲	۱	
۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷
						۱۲	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۴
							۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	۲۱
											۳۰	۲۹	۲۸

لیکن جس نے نہ ماننے کی قسم کھائی ہوئی ہے اس کے لئے اتمام حجت کرتے ہوئے حدیث رسول کبریا بیان کی جاتی ہے۔

حدیث: عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد فوق ثلاث الا علی زوج اربعۃ اشہر وعشرا (مسلم شریف ج ۱، ص ۴۸۶)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی کا غم منائے ہاں اپنے شوہر کا چار ماہ دس دن تک غم منا سکتی ہے۔ اب اگر بارہ ربیع الاول شریف کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا غم منائیں تو پھر ہم فرمان خدا اور رسول کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے کیونکہ ولادت پاک کی خوشی نہ منا کر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور وصال کا غم منا کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی اگر اس حدیث کے بعد بھی کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ روز وصال ہے اور ہم غم ہی منائیں گے تو اسے چاہئے کہ ہر پیر کو غم منائے کیونکہ پیر کے دن وصال ہونا تعیین ہے۔ نہ کہ بارہ ربیع الاول شریف۔

نوٹ

اگر ۹ ذی الحج جمعرات کا دن بھی تسلیم کیا جائے جس طرح کہ گمان کیا گیا تو اس صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول شریف پیر کا دن نہیں بنتا جیسا کہ آپ کے سامنے ہے خود حساب لگا سکتے ہیں۔

سید ارشد سعید کاظمی

مدرس مدرسہ انوار العلوم

۱۰ ستمبر بروز پیر ۱۹۹۱ء

تقدیر اور تدبیر

حصّہ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصحابِ طریقت اور عالمِ رموز و معرفت رضی اللہ عنہم کی ... یہ مسئلہ تقدیر سے متعلق
آگاہی ہے۔ یہ رسالہ اور تحقیق عوام الناس کے لئے ہے کہ کہیں اس مسئلے میں ان کے قدم پھسل نہ
جائیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رسالے میں
[illegible] اور تقدیر الٰہی پر کامل ایمان سے ... اللہ تعالیٰ سے ... اور عوام و خواص
کے لئے ہدایت کی راہ ہے۔

تقدیر ایک راز ہے جس میں ... اور ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ... مسئلہ تقدیر میں
جھگڑ رہے تھے ... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف ... آپ ...
چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ... آپ نے ارشاد
فرمایا [illegible]
[illegible] تقدیر میں جھگڑنا ...
[illegible]
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت ... [illegible]

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

[illegible]

[illegible]

سید ارشد سعید کاظمی

مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان

[illegible]

تقدیر کا معنی ہے اندازہ کرنا اور اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ مخلوق کی ایسی حد بیان کر دی جائے جس میں اس کے حسن، قبح، نفع، ضرر اور اس کے علاوہ دیگر صفات کا ذکر ہو جائے۔

تقدیر اور احادیث

جب حدیثوں کو ملاحظہ کیا جاتا ہے تو کہیں معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر ایسا نوشتہ ہے جو تبدیل ہونے والا نہیں اور کہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اول وہ حدیثیں ملاحظہ ہوں جن میں تقدیر کے تبدیل نہ ہونے کا بیان ہے۔

حدیث ۱: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ فَقَالَ مَا أَكْتُبُ قَالَ اكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ۔ (ترمذی شریف ج [illegible] ص [illegible])

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر اسے فرمایا لکھو اس نے کہا کہ میں کیا لکھوں۔ اللہ نے فرمایا تقدیر لکھو۔ تو اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو کچھ ہو چکا تھا اور جو آئندہ ہوگا۔

یعنی اللہ نے قلم کو تمام مخلوق کا علم عطا فرمایا اور اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا۔

حدیث ۲: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ (بخاری شریف ج [illegible] ص [illegible])

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا جہنم یا جنت

میں مقدر ہو چکا ہے یعنی ہر شخص کا جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے۔

اب ان احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے۔

حدیث ۱: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَعْمَلُهَا (ابن ماجہ ص ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمر میں نیکی ہی کے ذریعے اضافہ ہوتا ہے اور تقدیر کو دعا ہی تبدیل کر سکتی ہے اور شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کیا جاتا ہے یعنی مذکورہ تینوں امور میں مختلف وجوہ کی بنا پر تبدیلی کا وقوع ہونا ممکن ہے۔

حدیث ۲: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دلوں کے پھیرنے والے اے اللہ ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم امت کے لئے یہ دعا مانگ کر گویا اس بات کو بیان فرما دیا کہ دعا تقدیر کو تبدیل کر سکتی ہے۔

خیال رہے کہ تقدیر ہرگز کس طرح ممکن ہے کہ وہ ازلی بھی ہو اور اس میں تبدیلی بھی ممکن ہو پس اس وقت مذکورہ حدیثوں میں تطبیق صرف اس طرح ممکن ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں مانی جائیں۔ ایک تقدیر وہ ہو جس میں تبدیلی کی گنجائش نہ ہو اور دوسری وہ ہو جس میں تبدیلی کی گنجائش ہو پس اس صورت میں ان بظاہر مختلف حدیثوں میں تعارض باقی نہیں رہے گا بلکہ یہ تقدیر کی الگ الگ قسموں کا بیان ہو جائیں گی اسی لئے علماء اہلسنت نے تقدیر کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

© www.arshadsaeedkazmi.com © www.kazmiaonline.com

۱۔ تقدیر مبرم ۲۔ تقدیر معلق

۱۔ تقدیر مبرم: مبرم ابرام سے ماخوذ ہے جس کے معنی پختہ اور مضبوط کے آتے ہیں۔ تقدیر مبرم کو مبرم کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس میں اٹل اور فیصلہ کن امور ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (سورۃ الاعراف، آیت ۳۴)

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد ہے پھر جب ان کی میعاد آجائے گی تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (سورۃ المنافقون، آیت ۱۱) جب کسی کی مقررہ مدت آجائے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیگا اور اللہ خوب خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ مذکورہ آیات میں میعاد مقررہ کا بیان ہے جو اٹل ہے اور احادیث میں بھی کئی امور کا بیان ہے وہ اسی تقدیر مبرم سے متعلق ہیں۔

۲۔ تقدیر معلق: معلق تعلیق سے ہے جس کے معنی ہیں لٹکانا یعنی اس تقدیر میں جو امور پائے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام ایک طرح سے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس میں دونوں جانبیں بیان کر دی جاتی ہیں اور ہر جانب کا اپنا نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہوتی ہے جیسا عمل کیا جائے گا ویسا نتیجہ ملے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ (سورۃ المائدہ، آیت ۲۱) جب موسیٰ نے کہا کہ اے میری امت داخل ہو جاؤ پاک زمین میں جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر کر دی ہے اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ تم نقصان اٹھاتے ہوئے لوٹو گے۔ اس آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے دونوں راستوں سے آگاہ کر دیا کہ اگر تم پاک زمین میں داخل ہو گے تو تمہارے لئے بھلائی ہے۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ پس دونوں امور میں اپنی قوم کے سامنے رکھ دیں کہ جیسا کرو گے اس کے مطابق بدلہ پاؤ گے۔ آیت مذکورہ اور اس جیسی دیگر آیات و احادیث سے تقدیر معلق

سے متعلق ہیں۔ جب تقدیر کی دونوں قسمیں قرآن و حدیث سے واضح ہو گئیں تو اب ہم ان کا مقصد بیان کرتے ہیں۔

تقدیر کی ایک قسم اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اور دوسری اس کی برکت کو ظاہر کرتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تقدیر مبرم میں چونکہ ان امور کا بیان ہے جو اٹل فیصلے کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً قیامت کا آنا، حشر کا برپا ہونا وغیرہ جس قسم کے امور سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے کہ جن کے بارے میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور تقدیر معلق میں چونکہ مقرر کردہ امور نہیں ہوتے بلکہ ہر امر کی تمام راہوں کو بیان کر دیا جاتا ہے جس سے یہ تقدیر شانِ برکت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس نے انسان کو ہدایت اور گمراہی کی راہیں دکھا کر اختیار دے دیا ہے اور فرما دیا ہے کہ ہم نے خیر و شر دونوں راہوں سے آگاہ کر دیا ہے پس اب جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جیسا ارشاد ہوا وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (سورۃ البلد: ۱۰) اور ہم نے انسان کو نیکی بدی کی دونوں واضح راہیں دکھا دی ہیں۔

تقدیر مبرم و معلق کی مزید وضاحت

تقدیر معلق کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے چونکہ اس میں کسی ایک امر کی مختلف راہیں مخلوق پر واضح کر دی جاتی ہیں جیسا کہ فرمان ہوا قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ (سورۃ الانعام آیۃ ۱۰۴) ترجمہ: بے شک تمہارے پاس رب کی طرف سے روشن نشانیاں آ گئیں تو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسی کے اپنے فائدے کی بات ہے اور جو اندھا رہا تو اس کا نقصان اسی کے ذمہ ہے اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

نیز ارشاد ہوا: إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا: یقیناً ہم نے اسے راستہ دکھا دیا اب وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا۔ (سورۃ الدہر آیۃ ۳)

لیکن تقدیر مبرم میں فیصلہ کن اور اٹل امور ہوتے ہیں۔ ان امور کی دو قسمیں ہیں

ا جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا اور ان میں تبدیلی کی گنجائش بھی نہیں جیسا ارشاد ہوا: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ۔ (سورۃ ق آیت ۲۹) میرے حضور میری بات نہیں بدلی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

مخلوق کے انجام کا علم۔ اس کی تفصیل ایک مثال سے واضح کی جاتی ہے۔ اللہ نے اپنے علم میں جان لیا کہ جب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل کو پیدا کروں گا اور ان تک ہدایت کی تعلیم پہنچے گی تو ان میں سے کون ہدایت کو اپنائے گا اور کون اسے ٹھکرائے گا۔ پس اس نے اپنے علم میں جان لیا کہ انجام یہ ہوگا۔ اور اسے لوحِ محفوظ پر تحریر کر دیا اسے تقدیرِ مبرم کہتے ہیں۔ اور ہدایت و گمراہی کی وہ راہیں جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل ملعون کے لیے متعین فرمائی گئیں وہ ان کے لیے تقدیرِ معلق کا درجہ رکھتی ہیں۔

پس اس بیان سے یہ بات واضح ہوئی کہ تقدیرِ مبرم یا تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امور کو کہیں گے کہ جنہیں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا یا مخلوق کے انجام کو جس میں کسی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا جو انجام جانا اس میں بھی تبدیلی کی گنجائش ہے تو اس میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ جو انجام اللہ کے علم میں ہے ممکن ہے وہ انجام نہ ہو اس میں تبدیلی ہو جائے یعنی اس کے علاوہ کوئی اور انجام ہو جائے۔ اس وقت علمِ الٰہی میں شک و شبہ کی گنجائش پائی جائے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر قسم کے شک و شبہ اور عیوب و نقائص سے بے نیاز ہے۔ اور تب یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ اس تبدیلی کا علم اللہ کو تھا یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ اس تبدیلی کا علم اسے نہیں تھا تو اس کے علم میں نقص لازم

آتے ہو؟ اگر کہا جائے کہ اللہ کو اس تبدیلی کا علم تھا تو جو آخری بات معلوم ہوتی ہے وہی انجام ہے۔ ہم اسی کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس قسم کے لغو اور بے معنی اعتراضات کا اٹھنا ہی سلسلہ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ جب علم الٰہی میں تدریج کو تسلیم کیا یعنی اللہ کو پہلے یہ معلوم ہو پھر اس چیز کا علم ہو پھر اس کا۔ حالانکہ اس قسم کا علم تبدیلی کے تحت نہیں آتا کیونکہ ہے نہیں۔ مثلاً انسانوں کو پہلے جنت اور طلاق کے معنی معلوم ہوں پھر انہیں معلوم ہو گا کہ چار جنت ہے اور پانچ طلاق۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا علم اس کے برخلاف یعنی دفعۃً واحدۃً ایک دم سے ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام امور اور ان کے انجام وغیرہ کا مکمل علم ایک دم سے حاصل ہے اور اس میں تدریج کا تصور نہیں یعنی یہ نہیں کہ پہلے ایک چیز کا علم ہو پھر دوسری چیز کا علی ھذا القیاس۔ جب اللہ کا علم ازل سے دفعۃً واحدۃً ایک دم سے ہوا تو اس میں یہ اعتراض کہ جب خدا کو یہ معلوم ہے تو انہیں یہ معلوم ہو گا یا نہیں، بالکل غلط اور لغو ہے۔

اب ہم تحقیق کے اس سفر کی طرف رواں ہو چکے ہیں جس میں دنیا کے عظیم دانشور پہلے اور بڑے بڑے عقلاء عاجز آ گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس کٹھن گھاٹی سے خیر و عافیت کے ساتھ نکال لے۔ آمین بجاہ سید ولد آدم علیہ افضل التحیۃ والسلام۔

اس کائنات میں انسان کو بسلسلۂ تقدیر دو قسم کے امور سے واسطہ پڑتا ہے (۱) وہ امور جنہیں اللہ تعالیٰ نے از خود مقرر فرما دیا، اور کسی انسان کو ان میں دخل نہیں۔ مثلاً کسی کی موت کا وقت یا قیامت کا آنا وغیرہ۔ (۲) وہ امور جن میں انسان کو دخل ہے مثلاً مسجد میں نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور شراب میں خود کشی کرنا، جھوٹ بولنا، شراب پینا وغیرہ۔

پس ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تقدیر کی قسم اول میں اللہ تعالیٰ کسی سے باز پرس نہیں فرمائے گا کیونکہ اس میں کسی بندے یا بشر کو دخل نہیں۔ اور تقدیر کی دوسری قسم میں چونکہ انسان کے فعل کو دخل ہے اس لئے وہ تمام اچھے کاموں میں اجر کا مستحق اور برے

معاملات میں جواب دہ ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کو طبعی موت آجائے تو روزِ قیامت اُس سے اس بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ فلاں سال فلاں مہینے اور فلاں دن کیوں مر گیا تھا، کیونکہ اسے اپنی اس موت میں اختیار نہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو شخص خودکشی کرتا ہے اس سے اس بارے میں باز پرس ہوگی کیونکہ اس موت میں اس کے نفس کا دخل ہے۔ اسی بنا پر ایسی موت کو حرام موت کہا گیا ہے نیز ایسے شخص کی مذمت میں بے شمار احادیث وارد ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان برجل جراح فقتل نفسہ فقال اللہ بدرنی عبدی بنفسہ حرمت علیہ الجنۃ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص زخمی تھا تو اس نے (تکلیف کی بنا پر) خودکشی کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں جلد بازی سے کام لیا اسی بنا پر میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔

خلاصۂ کلام: یہ ہوا کہ جواب دہی ان امور کے ساتھ متعلق ہوتی ہے جن میں مکلف کی قوت و اختیار کو کچھ دخل ہو یعنی وہ ان معاملات میں بالکل بے اختیار اور مجبور نہ ہو۔ کیونکہ جن میں اسے ذرا سا بھی اختیار نہیں تو وہ ان کا جواب دہ بھی نہیں ہوگا۔ اور جن میں جتنا اختیار ہوگا اسی قدر جواب دہی کا مستحق ہوگا۔

انسان دو طرح سے مجبور ہو سکتا ہے۔

۱۔ اللہ نے اس کے لئے کوئی بات مقدر فرما دی اور وہ اسے تبدیل کرنے پر قادر نہیں۔ مثلاً سیاہ یا سفید فام ہونا۔

۲۔ وہ امور جن میں انسان اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حقیقۃً مجبور ہو جائے یعنی شریعت بھی اسے مجبور تسلیم کرے تو ان دونوں صورتوں میں بندہ ان سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفار مکہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین کو اقرار کفر کرنے لگے اور انہیں سخت اذیتیں دیں، تاکہ وہ اسلام سے پھر جائیں لیکن

یہ حضرات نہ بچ سکے تو کفار نے حضرت عمار کے والدین کو بڑے اذیت ناک طریقے سے شہید کیا۔
حضرت عمار ضعیف تھے بھاگ نہیں سکتے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ جان پر بن آئی ہے اور کوئی چارہ نہیں تو بادلِ نخواستہ کلمۂ کفر کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عمار کافر ہو گئے ہیں۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہرگز نہیں۔ عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہے ان کے گوشت اور خون میں ذوقِ ایمانی سرایت کر گیا ہے۔ پھر حضرت عمار روتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمار کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت برا ہوا۔ اور بہت برے کلمات میری زبان پر جاری ہو گئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اس وقت آپ کے دل کی کیا کیفیت تھی؟ تو عرض کیا دل ایمان پر خوب جما ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرمائی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ (سورۃ النحل آیت ۱۰۶) جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کرے اس پر اللہ کا غضب اور بہت بڑا عذاب ہے۔ مگر جس پر اس حال میں جبر کیا گیا کہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

حالتِ اکراہ یعنی جان کا خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خدشہ ہو تو اس صورت میں اگر دل ایمان پر جما ہوا ہو تو رخصت ہے اور کلمۂ کفر کا اظہار موجبِ مواخذہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص اس حالت میں بھی صبر کرے حتیٰ کہ قتل ہو جائے مگر کلمۂ کفر نہ کہے تو وہ ماجور اور شہید ہوگا۔ اور ایسا کرنا عزیمت کہلاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کہ سولی پر چڑھ گئے مگر کلمۂ کفر زبان پر نہیں لائے۔ اور حضرت عمار بن یاسر کے والدین کا عمل۔

توفیقِ الٰہی!

[illegible]

پس ہماری اس عبارت سے وہ تمام اعتراضات دور ہو گئے جو آج کل کے نئی تہذیب کے لوگ کرتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور جب اس بارے میں پوچھا جائے تو جواباً ارشاد ہوتا ہے اللہ نے توفیق ہی نہیں دی ہم کیا کریں۔ اللہ نے چاہا ہی نہیں تو

چھوڑا گیا قصور۔

لیکن ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عمار بن یاسر کا واقعہ اور اس کی مانند دیگر صحابہ کرام کے واقعات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کو اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ ہاں اگر پوری کوشش کے باوجود ہدایت کو نہ پہنچ سکے تو اگر اس میں اخلاص نیت ہو تو تب اس سے اللہ کے نزدیک مواخذہ نہیں ہوگا۔ لیکن جو حضرات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور قوتوں کو صحیح مصرف میں نہیں لگاتے اور نہ انہوں نے اس بارے میں کوشش کی تب قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (سورۃ التکاثر، آیت ۸) پھر اس دن نعمتوں کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

رہا یہ امر کہ کسی کا یہ قول کہ اللہ نے توفیق ہی نہیں دی، ہم نماز کس طرح پڑھیں، اللہ نے چاہا ہی نہیں ہم روزے کیسے رکھیں، کیونکہ اگر وہ چاہتا تو ہم روزے ضرور رکھ لیتے۔ اس قسم کے جملے موجب ہلاکت ہیں، کیونکہ اس میں اپنی غلطی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور اس ذات سبحانہ پر کتنا بڑا بہتان ہے۔ اس قسم کے خرافات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (سورۃ یونس، آیت ۶۹) اے حبیب فرما دیجیے یقیناً جو لوگ اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تقدیر کی مزید وضاحت

اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ خیر و شر، ہدایت و گمراہی تمام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس پروردگار نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیے جس نے صراط مستقیم پر چلا وہ بچ گیا، اور جس نے گمراہی کی راہ اختیار کی وہ خائب و خاسر ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ۝

(سورۃ الشمس، آیت ۸-۱۰)

© www.ahlehadeesfound.com © www.kitabosunnat.com

پھر سکھا دیا اس نفس کو اس کی بدکاری اور پرہیزگاری۔ بے شک کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کیا اور یقیناً ناکام ہوا جس نے اسے گناہوں میں آلودہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے لیکن ہدایت اسی کو عنایت فرماتا ہے جو اس کا طالب ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ ۱۳) اور اللہ جسے چاہے اپنے قرب کے لئے چن لیتا ہے۔ اور اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

یعنی جو شخص اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اسے ہدایت دیتا ہے اور وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ ۲۵۶) دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو گئی ہے۔ پس جو شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

واضح رہے کہ ہر شخص اپنے لئے ذمہ دار ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا (الانعام ۱۰۴) تو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو یہ اسی کے اپنے فائدے کے لئے ہے اور جو اندھا رہا تو اس کا نقصان اسی پر ہے۔

خلق اور کسب میں فرق

جب خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے "کسی چیز کو پیدا کرنا" اور بندے کا اپنی قوت و ارادے کو نفع یا ضرر کے لئے خرچ کرنا کسب کہلاتا ہے یعنی بندہ "کاسب" ہوا اور اللہ "خالق"۔

حقیقتاً خلق اللہ کی جانب سے ہے۔ کیونکہ وہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الرعد ۱۶)

والے ہیں، فرما دیجئے اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔

لیکن کسب بندے کی جانب سے ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ہے: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ: (سورۃ البقرۃ) ..... اس نے جو اچھے کام کا کسب کیا وہ اسی کے اپنے فائدہ میں ہے اور اس نے جو برا کام کیا وہ اسی کے نقصان میں ہے۔

نیت و ارادہ بھی بندے کی طرف سے ہے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ خیر و شر پر جزا اور سزا مرتب ہونا کسب کے لحاظ سے ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا: اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ: (سورۃ هود) ..... یہ جزا تو بندے کے اپنے کسب کا انجام ہے۔ جزا کا تعلق خلق کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ اللہ خالق ہے اور اس سے کوئی کسی معاملہ میں باز پرس نہیں کر سکتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ: (سورۃ الانبیاء) ..... اللہ سے نہیں پوچھا جا سکتا ان کاموں کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل و شعور اور قوت و اختیار دے کر مختلف بھلائی اور اچھائی و برائی کا راستہ دکھا دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا: (سورۃ بنی اسرائیل) ..... اگر تم نے بھلائی کی تو اپنا ہی بھلا کیا اور اگر برائی کی تو اپنا ہی برا کیا یعنی جیسے کہ اچھائی پر ثواب اور برائی پر عذاب یہ ہمارے کسب کی بنا پر ہوگا۔ اگر کسی نے اچھے اعمال کیے تو اس کی جزا بھی وہ ہی پائے گا اور کسی نے برے اعمال کیے تو اس کی سزا بھی وہی پائے گا۔

جہاں کہیں اچھائی و برائی دونوں کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے، وہاں تخلیق کا معنی مراد ہوگا جیسا کہ ارشاد ہوا: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: (سورۃ النساء) ..... اے حبیب فرما دیجئے کہ ہر شئی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ چاہے اچھی ہو یا بری۔ یہاں ہر شئی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہے۔

قابل غور: امر یہ ہے کہ بعض اوقات برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طرف

کرکے اس بات کا اظہار فرما دیا کہ وہ برائی کو پسند نہیں فرماتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (سورۃ النساء) "اور اے مخاطب تجھے جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی جانب سے ہے۔"

برائی کی تخلیق کیوں؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ جب برائی پر سزا ہے اور اللہ نے اس سے روکا بھی ہے تو اسے پیدا ہی کیوں کیا۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ اگر برائی کی تخلیق نہ ہوتی تو اس صورت میں صرف اچھائی کا وجود رہتا۔ تو اس وقت انسان اچھائی کرنے پر مجبور ہو جاتا کیونکہ برائی کا وجود ناپید ہوتا۔ اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ مجبوری باعث سزا و ثواب نہیں تو انسان کو اچھائی کرنے پر ثواب نہ ملتا۔ اور جب اعمال پر جزا ہی ختم ہو جاتی تو جنت اور دوزخ کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا کیونکہ جنت جزا ہے اچھائی کی اور جہنم برائی کی سزا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

"تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا:"

انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا بھی اس عمل سے تعلق ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ جب اللہ نے اچھائی اور برائی کو پیدا فرما دیا تو اب اس کا انسان کے عمل سے کوئی تعلق نہیں بس وہ جیسا کرے گا اس کے مطابق اجر پائے گا۔

اس صورت میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ بندے کے افعال و اعمال سے اللہ کا کوئی تعلق نہ رہا حالانکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ ارشاد ہوا: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (سورۃ الصافات) "تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا" نیز سورۃ بروج میں ہے: وَاللّٰهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ (سورۃ البروج) "اور اللہ تعالیٰ ان کے آگے پیچھے ہر طرف سے انہیں گھیرے ہوئے ہے۔"

نیز دوسری تحقیق بھی اس امر کے منافی ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں کے اعمال سے کوئی تعلق

دے، وہ اس معنی کہ خیر و شر ایسے امور نہیں ہیں جنہیں اللہ نے پیدا کر کے کہیں رکھ دیا ہو بلکہ ان کا تعلق بندے کے افعال کے ساتھ ہے یعنی اگر بندے نے اچھائی یا برائی کی طرف اپنی قدرت و اختیار کو صرف کیا تو اللہ تعالیٰ اس وقت اچھائی یا برائی کو پیدا کر دیتا ہے اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان کے افعال سے اللہ تعالیٰ کا تعلق نہیں ٹوٹتا۔

انسان مجبور ہو جاتا؟ جب ہم یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ بندہ خیر و شر کی طرف بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر و شر کو پیدا کر دیتا ہے معلوم ہوا اچھائی اور برائی کی تخلیق اللہ کی جانب سے ہے۔ تو اس میں بندہ کو قصوروار ٹھہرانا کہاں تک درست ہے؟

اس بارے میں گزارش ہے کہ اگر بندے کے ارادے اور کسب کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کر دیتے تو بندے کا مجبور ہونا لازم آتا وہ اس طرح کہ اگر وہ برائی کا ارادہ کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھتا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے برائی کو پیدا نہ کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بندہ برائی کرنے سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح اگر وہ اچھائی کا ارادہ کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھے لیکن اللہ تعالیٰ اس وقت اچھائی کو پیدا نہ فرماتے تو اس صورت میں وہ اچھائی نہ کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ اب اس کو اور واضح سمجھئے کہ اس صورت میں کوئی بھی عمل جو کہ برا ہوگا وہ برا ہوگا اور برائی اس کے قصد و ارادے کے خلاف ظاہر ہوگی یعنی اس صورت میں بھی بندہ مجبور ہوگا اور جیسے کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ مجبوری باعث عذاب و ثواب نہیں اسی لئے بندے کے کسب کو کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کام کو اس کے بعد پیدا فرمایا ہے کہ اس کو اپنے کیے کا ذمہ دار بنائے۔

اب ہمیں یہ بات معلوم کرنی ہے کہ بندے کے افعال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق کیا ہے مگر وہ تعلق ایسا نہیں جس سے اللہ تعالیٰ پر الزام آئے یا بندہ یہ کہے کہ وہ ان کی طرح کے کام جانتا یا اس کے نتیجے کا خیال پیدا نہ کرے۔

کیا اللہ مجبور ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نیک عمل کرنے والے مومنین سے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں ضرور جنت میں داخل فرمائے گا جیسا کہ فرمان ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا

© www.ahlehaqmedia.com © www.hanafiyah.com

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (النساء)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

نیز مشرکوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ان کی بخشش کسی حال میں نہیں ہو سکتی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ بے شک اللہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے حالانکہ اس سے کم گناہ کو بخش دیتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ قوانین وضع کر کے اپنے آپ کو مجبور نہیں بنا لیا کہ وہ اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا کیونکہ اگر وہ اپنے قول کے خلاف کرے تو یہ عظمت و شان الوہیت کے لائق نہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس قسم کا کلام ذات باری تعالیٰ کی مجبوری کی دلیل نہیں بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس سے جو وعدہ کرتا ہے یہاں اس کا اظہار فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس حکم کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نیک اعمال کی جزا میں جنت نے اپنے ابر رحمت میں یہ بات رکھ لی کہ نیک اعمال کی جزا بصورت جنت دی جائے گی نیز قہر کے لئے اس نے اپنے دوزخ بنائی ہے یہ بات رکھ لی ہے کہ قبیح اعمال کی جزا بصورت جہنم دی جائے گی۔

پس معلوم ہوا کہ اس قسم کا کلام اس کی مجبوری کی نشانی نہیں بلکہ اس کے تابع فرمان بندے کے انعام اور اس کے نافرمان کی ذلت کا بیان ہے۔

اب ہم ان الفاظ کے جوابات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ لازم ٹھہرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کی جانب سے ہے اس میں بندہ کا دخل نہیں۔ اگر کسی نے اچھا کام کیا تو یہ بھی اللہ کی جانب سے ہے اور اگر برا عمل کیا تو یہ بھی اسی کی جانب سے ہے اور قرآن مجید کی بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں کہ ہدایت و گمراہی اللہ کی طرف سے ہے

ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۔ (الکہف ۱۷) ترجمہ: جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو اسے مخاطب تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔

نیز ارشاد ہوا: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ (الرعد ۳۳) جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اضلال کے معنی بیان کیے جاتے ہیں، پھر مخالف کی طرف سے پیش کردہ آیات کے سیاق و سباق سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ یہاں اضلال کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے متعین کیے ہیں۔

اضلال کے معنی: اضلال کے معنی صرف گمراہ کرنے کے نہیں بلکہ گمراہ پانے اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہیں۔ نیز یہ معنی حدیث اور لغت عرب میں بھی مروج ہیں جیسا کہ کسی شخص کا اونٹ گم ہو جائے تو وہ کہتا ہے "اضللت البعير" کہ میں نے اپنا اونٹ گم پایا۔ اس کے معنی گمراہ کرنا نہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو گم کر دیا۔ جیسا کہ عربی زبان کا شعر ہے۔

فما زال شربي الراح حتى اضلني صديقي وساء بي صديق

یعنی میں شراب پیتا رہا یہاں تک کہ میرے دوست نے مجھے گمراہ کہا۔

یہاں لفظ "اضل" استعمال ہوا جس کے معنی یہ نہیں کہ میرے دوست نے مجھے گمراہ کر دیا بلکہ مراد یہ ہے میرے دوست نے مجھے گمراہ کہا یا گمراہ پایا یا گمراہ قرار دیا۔

نیز لغت حدیث کے امام علامہ ابن اثیر نے اپنی مشہور کتاب "النہایہ" میں اضلال کے یہ معنی فرماتے ہوئے ایک حدیث بھی بیان فرمائی "اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم قومًا فاضلهم" رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے پاس تشریف لائے تو آپ نے اسے گمراہ پایا۔ یہاں اضلهم کے معنی یہ نہیں کہ آپ نے اس قوم کو گمراہ کر دیا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہدایت دینے والے ہیں، چہ جائیکہ آپ لوگوں کو گمراہ کرتے۔ نیز اضلال کے معنی گمراہ کرنے کے بھی آتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ شیطان نے کہا: وَلَاُضِلَّنَّهُمْ (النساء ۱۱۹)

www.kitabosunnat.com

مجھے قسم ہے میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا

ہم یہاں عقیدہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اضلال کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی تو اس وقت اس کے معنی گمراہ کرنے کے نہیں بلکہ گمراہ پانے کے ہوں گے یوں بعض حضرات نے گمراہ کرنے کے معنی لئے ہیں وہ باعتبار تخلیق کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شی کا خالق ہے۔ اور ہدایت و گمراہی بھی اسی کی تخلیق ہے تو اس بنا پر باعتبار تخلیق کے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے۔ یہ صاحب قبر یہ کہتا ہے کہ جب ہدایت دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر وہ لوگوں کو خود گمراہ کیوں کرے گا۔ یہی ثابت ہوا کہ اضلال کی نسبت جب اللہ کی طرف کی جائے گی تو اس وقت اس کے معنی گمراہ کرنے کے نہیں بلکہ گمراہ پانے کے ہوں گے اور اگر گمراہ کرنے کے معنی لئے جائیں گے تو تخلیق کا عقیدہ کیا جائے گا۔ جن آیات میں اضلال کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے ان کے سیاق و سباق سے یہی بات واضح ہوتی ہے انسان اپنے گناہ کا خود ذمہ دار ہے اللہ تعالیٰ نے کسی پر گمراہی کو مسلط نہیں فرمایا۔ ارشاد ہوا: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (سورۃ البقرہ آیت ۲۶) اللہ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے اور وہ فاسقوں کو ہی گمراہ کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا اللہ گمراہ کرتا ہے پھر فرمایا کہ وہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے معلوم ہوا فاسق تو پہلے ہی گمراہ ہیں۔ گویا کہ یہاں فاسق وہی لوگ کہلائے ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد کو توڑا جیسا کہ اس سے اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ فاسق وہی لوگ ہیں جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ جب فاسق پہلے سے گمراہ تھے تو انہیں گمراہ کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ تو ثابت ہوا یہی کہنا پڑے گا کہ یہاں اضلال کے معنی گمراہ کرنے کے نہیں بلکہ گمراہ پانے کے ہیں۔

اس بات کو یوں بھی اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ... ترجمہ

یہ سب اللہ ان فاسقوں کو ان کی گمراہی میں بھٹکنے دیتا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں کہا ہے: إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ۔ (سورۃ النمل)

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے کرتوت ان کے لیے خوشنما کر دیئے تو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں، مگر وہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں۔

اور یہ بھی کسی کو زبردستی گمراہ نہیں کرتا، اسی طرح وہ گمراہ کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی وجہ سے اسے بلند کر دیتے لیکن وہ تو پستی کی طرف جھکا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

پس یہاں اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ہدایت بھی ہو سکتی تھی لیکن اس کا اپنا نفس ہدایت کی طرف راغب نہ تھا اس لئے ہم نے بھی ہدایت نہ دی کیونکہ جب کوئی شخص خود نعمت کو ٹھکرا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اس کی خواہش کے حوالے کر دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (سورۃ الرعد) بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو (اپنے حالات) تبدیل نہ کریں جب وہ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا تو اس صورت میں ... کا مطلب یہ ہے کہ ... وہ اللہ کی طرف سے ہدایت کے لیے ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے کافر کو کفر پر مجبور کیا؟ چند لوگ قرآن کی آیات کا ظاہری مفہوم دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو کفر پر مجبور کیا ہے اسی لئے وہ ایمان نہ لائے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ پس جو مہر لگنے والی بات ہے وہ مہر کی وجہ سے ان میں ایمان لانے کی صلاحیت نہیں

وہی ہیں جیسے وہ ایمان والوں کے ہاں اگر ان کے دل پر مہر نہ لگتی تو شاید وہ ایمان لے آتے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ آیت مذکورہ اور اسی جیسی دیگر آیات کا مفہوم یہ نہیں کہ اللہ نے مہر لگا کر ان کے ایمان لانے کے تمام دروازے بند کر دیئے بلکہ مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی نافرمانی کرتے رہے اور کفر کی انتہائی گہرائی اور دلدل میں پہنچے اور گمراہی کی ایسی تاریکیوں میں داخل ہوئے جہاں سے ان کا نکلنا ممکن نہ رہا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا کر اس بات کا اعلان فرما دیا کہ یہ ان کے کفر اور سرکشی کا نتیجہ ہے اور اب یہ لوگ حق قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔ اور اسی بات کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء) یعنی بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی یعنی یہ ان کے کئے کا انجام ہے۔

جس طرح کفر کی انتہا پر پہنچ جانے والا شخص ایمان کی طرف لوٹنے پر قادر نہیں رہتا اسی طرح جو لوگ ہدایت پا لیتے ہیں اور ہدایت پر قائم رہتے ہیں تو انہیں بھی کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جیسا کہ شیطان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ (الحجر) بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، ہاں گمراہوں میں سے جو تیری پیروی کرے یعنی مخلص بندوں کو ہدایت پانے کے سبب ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا۔

مسلمان پر انعام یا غیر مسلم کا قصور؟ یہاں معترض اعتراض کرتا ہے کہ ایک بچہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا اور دوسرا غیر مسلم کے گھر میں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ وہ جوان ہو کر وفات پا گئے تو جو مسلمان ہے وہ جنت میں جائے گا اور غیر مسلم وہ جہنم میں جائے گا اب سوچنے کی بات ہے کہ اس کا کیا قصور تھا جس کی بنا پر وہ ان کے گھر پیدا ہوا اور ظاہر ہے کہ اس کو کیا بنایا گیا جو غیر مسلموں کے گھر پیدا ہوا اس مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جاتا ہے پھر قرآن و حدیث سے واضح کیا جائے گا۔

مثال: ایک مالدار بادشاہ نے کسی روز خوش ہو کر اپنے تمام وزیروں کی اولاد

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

کو انعام و اکرام سے نواز دیا۔

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے درباریوں کی اولاد کو انعام دیا مگر اپنی رعایا کی اولاد کو محروم رکھا۔ اس صورت میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ بادشاہ نے اپنی رعایا کے ساتھ ظلم کیا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ بادشاہ نے اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کا برتاؤ رکھا مگر درباریوں کے ساتھ مزید حسن سلوک کا معاملہ کیا۔ واضح رہے کہ یہ حسن سلوک اس قرب کی بناء پر تھا جو بادشاہ اور اس کے درباریوں کے مابین تھا۔

بعینہٖ یہی توجیہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ نے مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والے کے ساتھ حسن سلوک کیا کہ اس نے سب سے پہلے محض اپنے فضل و کرم سے اسلام اور ہدایت کو پایا مگر وہ جو غیر مسلم کے گھر میں پیدا ہوا اس کے ساتھ انصاف کیا کہ اس کو ہدایت دینے کے لئے اپنے پیغمبر اور رسولوں کو مبعوث فرمایا کہ وہ اپنے عقل و فہم کو کام میں لاتے ہوئے ہدایت کو اپنا لے۔

__تنبیہ:__ در حقیقت اللہ نے غیر مسلم کے گھر میں بھی کسی کو غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان پیدا فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ ترجمہ: قائم ہو جاؤ اللہ کی بنائی فطرت پر، دین اسلام وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت دین اسلام میں کچھ تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نیز حدیث شریف میں ہے۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ ہر پیدا ہونے والا بچہ دین فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب اس کے ماں باپ کی مرضی چاہے اسے یہودی بنا دیں یا نصرانی یا مجوسی۔

__خلاصہ کلام:__ اللہ نے اپنی مخلوق میں کسی پر ظلم نہیں کیا اس نے اپنی معرفت و ہدایت کے لئے رسولوں کو مبعوث فرمایا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ نے مسلم یا غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے تمام اشخاص کو دین فطرت اسلام پر پیدا فرما کر احسان عظیم فرمایا تو بیجا نہ ہوگا یہی حق ہے

وہ بچہ مسلمان اور غیر مسلم کا بچہ غیر مسلم ہوتا اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے انبیاء کرام کو تبلیغ کے لیے مبعوث فرما کر ہی اتمام حجت فرماتا اور خود دنیا کو جنت بنانے کے لیے انبیاء کرام کو بھیجا گیا تو پھر بھی وہ ثواب ہے اور اپنے کئے کا نتیجہ تمام مسلمان جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر قرب کے باعث پر وہ ہوتے باقی تمام غیر مسلم جہنم رسید ہوں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کر کے ان کے ساتھ انعامات فرمایا مزید یہ کہ انہیں دین فطرت اسلام پر پیدا فرما کر احسان بھی فرمایا۔

دین فطرت پر پیدائش: اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ ہر بچے کی پیدائش دین فطرت پر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بچہ پیدائش سے قبل دین فطرت اسلام پر تھا، اور پیدائش کے وقت بھی اس سے اسلام کے منافی کوئی بات نہیں ہوئی تو اپنے آپ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش دین اسلام پر ہوئی۔

انسان کی پیدائش سے قبل کا واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ (سورۃ اعراف آیت ۱۷۲) اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنی آدم کے بیٹوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنایا (اور فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں (یہ اس لیے کیا) کہ قیامت کے دن کہیں تم یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ آیت مذکورہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام نفوس انسانیہ کو رب نے پیدا کر کے ان سے ربوبیت کا اقرار کرایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ اقرار اس وجہ سے کرایا جا رہا ہے کہ کہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے بے خبری یا لاعلمی کا عذر نہ کرنے لگو۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد کسی شخص کی کسی روح نے اپنی پیدائش تک کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو اسلام کے منافی ہو جس سے ثابت ہوا کہ ہر شخص کی پیدائش دین اسلام پر ہوئی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل بھیج کر اس وعدہ کی یاد دہانی بھی کرائی۔

نیک بخت اور بدبخت ہونا: سابقہ عبارت سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر بچہ کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے۔ لیکن حدیث مندرجہ ذیل بظاہر اس کی مخالف ہے۔ حدیث وہ یہ ہے: الشقی من شقی فی بطن امہ والسعید من سعد فی بطن امہ "بدبخت ماں کے پیٹ میں ہی بدبخت ہے اور نیک بخت ماں کے پیٹ میں نیک بخت ہے۔" یعنی نیک بخت اور بدبخت ہونے کا فیصلہ انسان کی پیدائش سے پہلے ہو چکا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیک بخت کا دین فطرت پر پیدا ہونا تو واضح ہے۔ مگر جو ماں کے پیٹ میں ہی بدبخت ہو اس کی پیدائش دین فطرت پر کیونکر ممکن ہے؟

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ بدبخت یا نیک ہونے کا تعلق انسان کی پیدائش سے نہیں بلکہ اس کے خاتمے کے ساتھ ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل کو دین فطرت پر پیدا فرمایا۔ لیکن اس ذات پاک نے اپنے علم میں یہ بات جان لی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں زندگی بسر فرمائیں گے۔ اور آپ کا انجام نیک ہوگا۔ لیکن ابوجہل میرے محبوب کی مخالفت میں ساری زندگی گزارتا رہے گا۔ اور بالآخر اس کا انجام برا ہوگا۔ بس اسی انجام کی بنا پر یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں ہی نیک بخت تھے۔ لیکن ابوجہل اس کے برخلاف اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت تھا۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نیک بختی اور بدبختی کا تعلق انسان کے انجام کے ساتھ ہے پیدائش سے نہیں۔ کیونکہ پیدائش تو ابوجہل کی بھی دین فطرت پر ہوئی اور اس نے وعدہ الست سے اپنی پیدائش تک اسلام کے منافی کوئی کام نہیں کیا۔ ابوجہل کی دین فطرت پر پیدائش کی وجہ یہی ہے کہ روز حشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین فطرت پر پیدائش کی بنا پر اس کے خلاف حجت قائم ہوگی کہ ہم نے تجھے اسلام پر پیدا کیا تھا لیکن تو نے اسے ضائع کر دیا اب آ اور اپنے کئے کی سزا بھگت۔

چھوٹے بچے اور روز قیامت: اب ہم ان چھوٹے بچوں کا ذکر کرتے ہیں جو

www.[illegible].com www.[illegible].com

بچوں میں جنت میں جانے والے بچوں کی دو قسمیں ہیں۔ مسلمانوں کے بچے، غیر مسلموں کے بچے۔ مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں قرآن پاک میں ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے۔

آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ مومنین کی اولاد جس نے ایمان کے ساتھ اپنے والدین کی پیروی کی تو وہ ان کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ یہ حالت ایمان بالغ اولاد کا معاملہ تو واضح ہو گیا۔ رہی نابالغ اولاد چونکہ ان کی اپنی حیثیت ہی والدین سے الگ نہیں ہوتی اور اسی بنا پر ان کا شمار ... اس بنا پر وہ اپنے آباء و اجداد سے ملحق کر دیئے جائیں گے۔ وہ اولاد جس کے ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو اور دوسرا کافر ہو تو ان کی اولاد بھی مسلمان سے ملحق کی جائے گی کیونکہ نسب ہمیشہ اعلیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ رہا غیر مسلموں کی اولاد کا معاملہ تو اس بارے میں ہم حدیث سے راہنمائی لیں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اس میں بیان رحمت ... کا ... یا عدل ... کا۔

رحمت الٰہی کا ذکر اس حدیث میں ہے: عن عائشة الصديقة رضي الله تعالى عنها قالت سألت خديجة رضي الله تعالى عنها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن أولاد المشركين فقال هم من آبائهم ثم سألته بعد ذلك فقال الله أعلم بما كانوا عاملين ثم سألته بعد ما استحكم الإسلام فنزلت ولا تزر وازرة وزر أخرى قال هم على الفطرة أو قال في الجنة

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ اپنے باپ کے ساتھ ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد میں نے اس بارے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے جو وہ عمل کرنے والے تھے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں پھر اس کے بعد جب اسلام مستحکم ہو گیا تو میں نے یہی سوال دہرایا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

وہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ تو وہ یہاں حضرت ابوطالب کے حق میں ایسا فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں (حالانکہ) اور وہ آیت کریمہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ۔ اور ہم کبھی کسی کو اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں جب تک ان میں ہم رسول نہ بھیجیں۔ بھی غیر مسلموں کے مجبور نہ کیے جانے پر عذاب دینے کی دلیل ہے۔

چند اور حدیثوں پر بحث : چونکہ ان تمام احادیث کا احاطہ کرنا جو اس مسئلہ میں بظاہر مسلک اہل سنت کے معارض نظر آتی ہیں بحث طویل اور بات کو طول دینے کے خوف سے اس لئے ہم ان میں سے چند ایسی حدیثوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو شخص ان کو اچھی طرح سمجھ لے وہ مسئلہ تقدیر کی تمام حدیثوں کے صحیح مفہوم سے مطلع ہو سکتا ہے۔ احادیث کے بیان سے پہلے چند گزارشات کی جاتی ہیں تاکہ حدیث کا صحیح مطلب واضح ہو سکے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اہل سنت، قدریہ اور جبریہ دو فرقے ہیں۔ جبریہ کا مسلک ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور انسان کو کسی قسم کا اختیار نہیں۔ قدریہ کا کہنا ہے کہ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے جس کے افعال سے اللہ کا کوئی تعلق نہیں۔ اہل سنت کا مسلک ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے جو کچھ بھی ہر شخص کے اعمال ازل سے اس نے اپنے علم ازلی کے مطابق تقدیر فرما دی ہے جیسا ہونے والا تھا اور جو شخص جیسا کرنے والا تھا اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ دیا۔ یہ نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ہے ویسا ہی کرنا پڑے گا بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے وہی اس نے لکھا۔

اہل سنت اور قدریہ میں فرق : قدریہ کا مسلک ہے کہ تقدیر بندے کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہے بنا لے اور بگاڑ لے۔ لیکن اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بندہ کو جتنا اختیار ہے اسی قدر تقدیر میں اسے دخل ہے۔ یہ نہیں کہ وہ فقط آلہ ہو کیونکہ بندہ کو اگر تقدیر میں مکمل اختیار ہو تو کوئی شخص غریب نادار مفلس اور محتاج وغیرہ نہ رہتا بلکہ اپنے اختیار سے ان تمام چیزوں سے باہر نکل جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات واضح رہے کہ جن امور میں بندہ کو اختیار دیا گیا ہے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کا تعلق نہیں ٹوٹتا اور اس کا بیان مفصل طور پر کیا جا چکا ہے۔

© www.arshadsaeedtamsi.com © www.hafizsabib.com

عبد کا اختیار اور مجبوری: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا انسان کہاں تک مجبور ہے اور کہاں تک مختار ہے تو آپ نے فرمایا اپنی ایک ٹانگ اٹھاؤ اس نے ایک ٹانگ اٹھالی پھر فرمایا دوسری اٹھاؤ وہ دوسری نہ اٹھا سکا تو آپ نے فرمایا انسان مجبور محض ہے نہ مختار کل۔

الغرض اہل سنت کا مسلک جبریہ اور قدریہ کے بین بین ہے یعنی انسان کلی طور پر مختار ہے نہ کلی طور پر مجبور۔ بس تمہید کے بعد حدیثوں کا بیان شروع ہوتا ہے۔

حدیث ۱: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتج آدم و موسٰی علیہما السلام عند ربہما فحج آدم موسٰی قال موسٰی انت آدم الذی خلقک اللہ بیدہ ونفخ فیک من روحہ واسجد لک ملائکتہ واسکنک فی جنتہ ثم اھبطت الناس بخطیئتک الی الارض فقال آدم انت موسٰی الذی اصطفاک اللہ برسالتہ وبکلامہ واعطاک الالواح فیھا تبیان کل شیء وقربک نجیا فبکم وجدت اللہ کتب التوراۃ قبل ان اخلق قال موسٰی باربعین عاما قال آدم فھل وجدت فیھا وعصٰی آدم ربہ فغوٰی قال نعم قال افتلومنی علی ان عملت عملا کتبہ اللہ علی ان اعملہ قبل ان یخلقنی باربعین سنۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فحج آدم موسٰی (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے پاس مناظرہ کیا تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا پھر آپ نے اپنی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو نیچے اتارا۔ حضرت آدم نے کہا آپ ہی وہ موسیٰ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی پیغمبری اور کلام کے لئے چن لیا اور آپ کو تختیاں بخشیں جن میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے اور آپ کو سرگوشی میں ہم کلامی سے قرب بھی بخشا تو آپ

تو آپ نے دیکھا کہ میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے آپ نے اس تورات کو پایا؟ تو موسیٰ نے فرمایا چالیس سال پہلے تو آدم نے فرمایا کیا آپ نے تورات میں یہ بھی لکھا ہوا پایا کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی [illegible] تو بے شک حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں تو آپ نے فرمایا کیا آپ اس عمل پر مجھے ملامت کرتے ہیں جس کو اللہ نے میرے مقدر میں میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھا ہوا تھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدم موسیٰ سے جیت گئے۔

اس حدیث کی بنا پر [illegible] موسیٰ علیہ السلام کے [illegible] ہونے کا قول کیا [illegible] انہوں نے حضرت [illegible] حضرت آدم علیہ السلام پر سوال [illegible] سمجھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو [illegible] وہ حکمت تھی جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے [illegible] کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی [illegible] آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ آدم موسیٰ سے جیت گئے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت آدم علیہ السلام [illegible] تھے [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] آدم علیہ السلام [illegible] قدرت و اختیار کی بنا پر [illegible] قدرت و اختیار [illegible] ہر شخص سے سوال کیا جائے گا [illegible] قدرت و اختیار [illegible] میں ہوتے تھے [illegible] آدم علیہ السلام [illegible] علوم اور ارادے کو دخل نہیں تھا [illegible] اس بات کو [illegible] بیان فرمایا [illegible] تھا [illegible] آدم بھول گئے اور ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔ [illegible] اس عمل کی بنا پر تھا جو آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا [illegible] آدم علیہ السلام [illegible] بھول کی بنا پر تھا اور انبیاء علیہم السلام کی بھول [illegible] اور آدم علیہ السلام کی اس بھول میں [illegible] حکمت [illegible] آدم سے [illegible] اور انبیاء علیہم السلام [illegible] نہیں بلکہ بھلائے جاتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے [illegible] میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں [illegible] آیت کریمہ میں نسیان کی نسبت [illegible]

© www.ahlehaqmedia.com © www.[illegible].com

کی صورت لگی، تو یہ خفیف نسیان آدم علیہ السلام پر طاری کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود آدم علیہ السلام نے اپنی کی نفس شناسی کی بنا پر اس فعل کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے عرض کیا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۲۳) اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

انبیاء علیہم السلام کی بھول: عقلاً اور نقلاً یہ بات ثابت ہے کہ کوئی نبی یا رسول جان بوجھ کر اور اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا اور جس شخص سے اللہ کی نافرمانی بھی سرزد نہ ہو اس کے لئے اصل بخشش و مغفرت کا تصور بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ بخشش و مغفرت خطاؤں کے درگذر کرنے کی بنا پر ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر نبی خطا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت مغفرت سے محروم رہ جائے گا اور اگر نبی سے بھی گناہ جان بوجھ کر سرزد ہو تو یہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور اگر خطا و نسیان نہ ہو تو نعمت مغفرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو نعمت مغفرت سے نوازنے کے لئے ان پر نسیان یا عدم توجہی یا مستقل غور و فکر نہ ہونے کا سبب بنا، ان کا کوئی ایک سبب اور وہ نعمت مغفرت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس پر شاہد ہے کہ آپ نے ایک قبطی کو گھونسا مارا اور وہ مر گیا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں اپنی مغفرت کے لئے استغفار کیا: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۔ (سورۃ القصص، آیت ۱۶، ۱۷) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے معاف فرما دے تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، بے شک وہی بہت مغفرت فرمانے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب جس طرح تو نے مجھ پر انعام فرمایا تو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مارنا اس وقت اپنی طاقت سے عدم توجہ کی بنا پر تھا۔ وہ آپ کی طاقت کا عالم نہ تھا کہ اس کی موت واقع ہو گی کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقت کا علم نہ ہونے کی بنا پر معاف کر دیا۔

تو آپ کی مغفرت ہو جانے کے بعد یہ عرض کرنا (حتیٰ تفطرت قدماہ) کہ آپ ایسے کیوں
جیسا آپ نے مجھ پر انعام فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسیان کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (سورۃ الاعلیٰ) اب ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے
اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا انما انا بشر مثلکم انسیٰ
کما تنسون (صحیح مسلم) میں بھی تو انسان ہی ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ تو اس سے یہ بات
بھی ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی بھول بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے کیونکہ
اس میں کئی حکمتیں مضمر ہیں۔ تو جب انبیاء کی بھول بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوئی تو ان کے والی
اولیاء اللہ کی بھول بھی اسی کی جانب سے ہوئی۔

حدیث ۵۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قلوب بنی آدم کلها
بین اصبعین من اصابع الرحمن کقلب واحد یصرفه کیف یشاء ثم قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام انسانوں کے دل ایک دل کی طرح
اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جیسے چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔ پھر آپ
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی فرمانبرداری
کی طرف پھیر دے۔

اس حدیث کو اولیاء کی بھول سے یہ کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے دل کی مرضی کے مطابق عمل
کرے اور دل اللہ کے قبضے میں ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان سے تمام عمل اللہ کی مرضی کے
مطابق کیوں بعض اوقات سہو بھول ہو جاتی ہے، اس کی گرفت کیوں ہوتی ہے!

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان دل کے ہونے کا
مقصد واضح ہو جائے تو اس قسم کے اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس قسم کے مجھے علماء نے ان

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

میں تصرف اور اختیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں "ما فلان الا فی یدی وفی قبضتی" فلاں تو میرے ہاتھ اور میری مٹھی میں ہے۔ یعنی فلاں پر میرا مکمل تصرف ہے۔ میں اس سے جو کام لینا چاہوں لے سکتا ہوں۔ اور اسی طرح عرب لوگ کہتے ہیں۔ ما فلان الا بین اصبعی = فلاں تو میری دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جس کا مفہوم بھی یہی لیا جاتا ہے کہ فلاں پر میرا مکمل تصرف اور اختیار ہے کہ میں اس سے جو کام لینا چاہوں لے سکتا ہوں۔

نیز حدیث مذکور میں یہ ذکر کہ اولاد آدم کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں یہ ذات باری تعالیٰ کا اس کام پر مکمل تصرف و اختیار بیان فرمایا ہے کہ وہ جس آدمی سے کوئی کام لینا چاہے تو لے لیتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ (متفق علیہ) بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد بدکار شخص سے بھی لے لیتا ہے۔ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ دوسرے دین کی حمایت پر مجبور کر دیتا ہے۔ بلکہ فرما دیتا ہے کہ کسی وجہ سے اسے توفیق الٰہی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ دین کی خدمت کرنے لگتا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل ہوتا ہے۔

حدیث ۳: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذلک ثم یکون مضغۃ مثل ذلک ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح فوالذی لا الہ غیرہ ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی ما یکون بینہ وبینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فیدخلھا وان احدکم لیعمل بعمل اھل النار حتی ما یکون بینہ وبینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل الجنۃ فیدخلھا۔ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۲۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کا مادہ پیدائش چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں نطفہ رہتا ہے پھر اسی قدر چالیس دن تک جما ہوا خون، پھر اسی قدر گوشت کا لوتھڑا پھر اللہ تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے۔ (۱) وہ اس کا عمل لکھے (۲)

© www.ahlehadeesbooks.com © www.kitabosunnat.com

کیا کرے گا۔ ۲۔ اور اس کی موت۔ ۳۔ اور اس کا رزق۔ ۴۔ نیک بخت یا بدبخت ہوگا۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض جنتیوں کے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک نوشتہ تقدیر اس پر سبقت لے جاتا ہے کہ وہ دوزخیوں والا کام کر بیٹھتا ہے پھر وہ اس میں داخل ہوتا ہے اور اسی طرح تم میں سے کوئی دوزخیوں کا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جہنم میں صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر سبقت لے جاتی ہے کہ وہ جنتیوں والا کام کر بیٹھتا ہے پس وہ اس میں داخل ہوتا ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اچھائی پر گامزن رہنے کے باوجود بعض اوقات تقدیر کی بنا پر جہنم میں جا گرتا ہے اور کوئی برے کام کرنے کے باوجود اچانک کسی اچھے عمل کی بنا پر جنتی ہو جاتا ہے۔ یعنی معلوم ہوا کہ اس کارخانہ ہستی میں نوشتہ تقدیر پر عمل ہو رہا ہے کسی کو اس میں دخل نہیں۔

اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ نہیں کہ انسان مجبور محض ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض لوگوں کے حالات زندگی بیان فرمائے ہیں کہ جو ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں مثلاً بعض لوگ زندگی بھر برے اعمال کرتے رہتے ہیں لیکن آخر میں وہ تائب ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بعض لوگ اچھائی میں لگے رہتے ہیں لیکن آخر میں برائی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث شریف میں انہیں جیسے لوگوں کا بیان ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ہدایت یا گمراہی پر مجبور کر دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ ۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ...)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بندہ کبھی جہنمیوں والے کام کرتا ہے

© www.arshadmasoodhome.com © www.kutubsite.com

حالانکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے اور اسی طرح وہ بھی جنتیوں والے کام کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے۔ اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ اعمال کا اعتبار انجام پر ہے۔

انسان کی پیدائش سے پہلے فرشتہ کا اس کی تقدیر لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو عمل اس نے کرنا تھا فرشتے نے وہی لکھا یہ نہیں کہ جو کچھ اس نے لکھا انسان کو وہی کرنا ہے۔

الحمد للہ ہماری بیان کردہ آیات و احادیث سے مسئلہ تقدیر خوب واضح ہو گیا اور معترضین کے شکوک و شبہات کے جوابات بھی بطریق احسن دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سید عالم نور مجسم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اپنی مرضیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سید ارشد سعید کاظمی

مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان

ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ ۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء

تعارف

مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم میں حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید شاہ صاحب کاظمی کی سرپرستی میں بزم سعید کے نام سے دینی طلباء کی ایک تنظیم ہے۔ جس کے تحت ہر ہفتہ رسائل و تقاریر شائع کیے جاتے ہیں تبلیغ کے لیے مختلف شہروں اور قصبوں میں تبلیغی جلسے منعقد کیے جاتے ہیں اور طلباء کی تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ہر جمعرات تحریری پروگرام منعقد ہوتا ہے جس میں طلباء عربی، اردو، پشتو اور سرائیکی میں تقریریں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح حق و باطل میں فرق کے لیے ... یہ رسالہ ترتیب دیا گیا ہے

بزم سعید جامعہ انوار العلوم ملتان

© www.arshadsaeedkazmi.com © www.hafeezakhtar.com

تقدیر اور تدبیر

حصہ دوم

© www.syedsaeedkazmi.com

دیباچہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"جو منطق ہم تمہیں پڑھا جائیں گے وہی تمہارے کام آئے گی"

[illegible]

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

الاعتذار

[illegible]

[illegible]

فقیر سید ارشد سعید کاظمی

ناظم مدرسہ انوار العلوم ملتان

نوٹ: رسالہ کا خلاصہ

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible] تمام کمالات [illegible] اللہ کی قدرت کے تحت [illegible]
[illegible] سب اللہ کی مشیت کے مطابق ہے۔

[illegible]

"اللہ کے امر کے بغیر مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین"

یعنی اللہ کے امر کے بغیر مخلوق سے کچھ نہیں ہو سکتا اور مخلوق کے بغیر [illegible] رب تعالیٰ کے [illegible] عزت، عزت و حکمت کے بھی آتے ہیں۔ قرآن میں ہے "[illegible] العزیز الحکیم" "عزت و حکمت والا ہے" [illegible] لفظ "[illegible]" کا معنی [illegible]

© www.[illegible].com
© www.[illegible].com

ضرورت والی مخلوقات کے تحت نہیں ہیں بلکہ ہم ذرا غور سے دیکھیں تو ہر ایک کو اپنی ضروریات کے لئے [illegible] اجازت میں سے کسی نہ کسی قسم کا واسطہ ہے۔

امر کے معانی "حکم" ، ارشاد اور اجازت کے ہیں۔ [illegible]

[illegible] ہو سکتا ہے!

۱۔ اللہ کے امر کے بغیر مخلوق سے کچھ نہیں ہو سکتا

۲۔ اللہ کے حکم کے بغیر مخلوق سے کچھ نہیں ہو سکتا

۳۔ اللہ کے ارشاد کے بغیر مخلوق سے کچھ نہیں ہو سکتا

۴۔ اللہ کی اجازت کے بغیر مخلوق سے کچھ نہیں ہو سکتا

وضاحت: کیا [illegible] سب کچھ اللہ کے حکم، ارشاد یا اجازت سے ہو رہا ہے [illegible]

"اختیار و اجازت میں فرق"

واضح رہے کہ اختیار و اجازت میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دے رکھا ہے مگر [illegible]

© www.[illegible].com

© www.[illegible].com

تعریف و تشریح سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اجازت نہیں دی بلکہ اختیار دیا ہے اور (اب اگر وہ) کفر کرے گا تو اس کی سزا بھی بھگتے گا۔ یہاں اختیار مجبوری کی ضد ہے۔

کیا مشرک کا شرک کرنا اللہ کی اجازت اور حکم سے ہے؟

اگر جواب "ہاں" ہے تو مشرک سے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس نے تو شرک اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے عین مطابق کیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ ترجمہ: بے شک اللہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ جبکہ اس سے کم گناہ جس کو چاہے بخش سکتا ہے۔

اگر جواب "نہیں" ہے تو یہ بات تسلیم کرنا ہو گی کہ شرک اور برے اعمال بغیر حکم اللہ تعالیٰ کے امر و اجازت کے ہی ہوتے ہیں مگر برائی کا وجود خود برے بندے سے ہے یعنی انسان کی اپنی مرضی سے ہے۔

"ایک بات"

مخلوق کے اعمال اللہ تعالیٰ کے امر و حکم سے ہیں تو یہ بڑی قیامت کی بات ہے اور اب جبر کا سب کی بات ہو گی کہ ہم برے کام کریں تو گویا وہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو تو ایسے میں امر و حکم کا عذاب کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لیے بھی عذاب دینا ظلم ہو گا۔

ان خرابیوں سے بچنے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ اعمال بغیر امر کے تحت ہیں مشیت کے ساتھ ہوتے ہیں مگر امر الٰہی نہیں۔

دنیا کا ہر بات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب کی مشیت کے تحت ضرور ہے مگر اس کی رضا و حکم کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔

"مشیت کے معنی"

مشیت شاء سے ہے جس کے معنی ہیں چاہنا۔ اور اس عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے برا یا اچھا۔ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جس سے نتیجہ نکلا کہ مشیت تو ہیں مگر برائی سے راضی نہیں جس سے اس کا حکم نہیں دیتا۔ مشیت کا مفہوم ہے کہ خیر و شر دونوں تو محض ارادے اور مشیت کے تحت ہیں اور خیر و شر دونوں کے معنی کی وضاحت کچھ یوں ہے۔

© www.ahlehaqeedbooks.com © www.kutubkhana.com

خیر کے ساتھ مشیت اس طرح متعلق ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسند بھی شامل ہوتی ہے جس سے وہ بندوں کو حکم دیتا ہے۔

شر کے ساتھ مشیت اس طرح متعلق ہوتی ہے کہ وہ شر جس طرح ہوتا ہے جیسے دنیا میں مصلحت کے سبب سے بندوں کی اختیار کرنے، قدرت کے باوجود سے وہ [illegible] اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسند بالکل نہیں ہوتی بلکہ ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس نے شر کا کبھی بھی حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع کیا کہ اس کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ یہ ہمیشہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے [illegible] جس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: "إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ" "اگر تم کفر کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔ اگر تم شکر بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے تم پر راضی ہوگا۔"

نیز قرآن مجید میں ہے: "فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے" [illegible] "[illegible]" [illegible] ہے۔ مگر رب تعالیٰ کی مشیت بھی اسی طرح ہے جس سے [illegible] اور ایمان پر [illegible] جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" "اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اس کو بہت بڑی بھلائی [illegible]"

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کہ [illegible] "وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ" "[illegible]"

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کے مطابق عمل کرتے [illegible] مشیت [illegible] نہیں۔

© www.ahlehadeethforums.com © www.kitabosunnat.com

"ایک آیت ایک دلیل"

سب سے پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا کی قسمت اللہ کی مشیت سے ضرور ہوتی ہے لیکن قسمت اچھا بری [illegible] اللہ کی طرف سے ہوتی ہے [illegible]

"وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا"

"اگر انہیں کچھ بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے انہیں کوئی برائی تو کہتے ہیں [illegible] آپ کی طرف سے ہے۔ تو کہہ دیجئے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہوا ان لوگوں کو [illegible] بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں لگتے۔"

اس آیت کریمہ میں [illegible] اچھائی اور برائی کی نسبت "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ" [illegible] فرما دیجئے سب اللہ کی طرف سے ہے [illegible] یہ آیت [illegible] مشیت ہے [illegible] اگلی آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا: "مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ" [illegible] تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے [illegible]

[illegible] برائی کی نسبت [illegible] اللہ کی طرف سے ہے [illegible] اللہ کی طرف سے ہے۔

خلاصہ کلام: "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ" [illegible] اللہ کی مشیت [illegible] "وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ" [illegible] اللہ کی طرف سے [illegible]

[illegible]

"ایک شبہ اور اس کا ازالہ"

"وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا"

کوئی پتا نہیں گرتا مگر اللہ اسے جانتا ہے

اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ کوئی بادشاہ کی اجازت کے بغیر
نہیں کر سکتا حالانکہ ان کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ آیت میں الفاظ ہیں "فَاتَّبَعُوْا" اور اس کا معنی
کرنا اتباع ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا وہ بادشاہ کی اجازت یا حکم سے کرتے ہیں اور ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے
کہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق ہے وہ بے شمار چیزوں کی مالک ہے حقیقت و عقیدت ہیں اور وہ ان تمام
سے متعلق گواہ اور مشرب ہوتے ہیں وہ اللہ کے اذن سے ہر کام کر سکتے ہیں کوئی ایک ہستی بھی
قدرت حقیقیہ عطا نہیں ہے اور ہر نے تو ہمارا وہ قدرت اور عقیدہ ہے کہ کوئی اس بات کو عقیدہ
اور عقیدت کی آیات کا امر و حکم کو بیان کیا جانے لگتا ہے

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

"امر سے متعلق قرآنی فیصلہ"

حضرت سلیمان علیہ السلام کا امر اور قرآن

"فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ"

ترجمہ: تو ہم نے ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی کہ وہ ان کے حکم سے نرمی سے چلتی جہاں وہ چاہتے

"شیطان کا امر اور قرآن"

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ (النساء ۱۱۹)

ترجمہ: مجھے قسم ہے میں انھیں ضرور بہکاؤں گا اور انھیں جھوٹی آرزوئیں دلاؤں گا اور انھیں ضرور
امر کروں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور میں انھیں امر کروں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی
چیزیں ضرور بدل دیں گے۔

مذکورہ بالا آیت کو پڑھنے کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہے کہ امر صرف اور صرف اللہ کا ہے تو

© www.arshadmasoodkazmi.com © www.harfesadiq.com

ہے۔ کیونکہ قرآن میں بھی منافقت نہیں ہوتی ۔ جیسا کہ ان سے شیطان کا اعلان کیا ہے ۔ کیونکہ ان کی آیت میں امر کے ساتھ شیطان ہے

"امر والے اور قرآن"

"اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ"

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو امر والے ہیں ان کی

مفسرین اللہ و رسول کے علاوہ امر والوں کا وہ امر جو شریعت کے خلاف ہو اس کا کیا اعتبار کیا گیا ہے ۔ یعنی قرآن نے امر کی اطاعت کا قرار دیا ہے۔

فیصلہ کن حدیث

خارجیوں نے تحکیم میں حضرت علی کے خلاف جب آواز اٹھائی تو یہ نعرہ لگایا "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ" کہ حکم تو صرف اللہ کا ہے ۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا "کلمۃ الحق ارید بہا الباطل" کلمہ حق ہے مگر مراد اس سے باطل ہے ۔ جیسا کہ ان لوگوں کے بارے میں پہلے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

"یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ" یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے ۔ (ابو داؤد [illegible])

خارجیوں کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت علی نے ارشاد فرمایا آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ۔ [illegible] ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ سر منڈے ہوں گے ۔

تنبیہ ۔ مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ قوم جو "لا حکم الا للہ" کا مفہوم غلط بیان کرتے ہیں ۔ [illegible] اللہ کے امر کے بغیر حق سے الگ ہو کر دین سے نکل گئے ۔

کیا وہ مسلمان تو نہیں مرتے ؟

اگر یہ حقیقت میں ان میں پایا جاتا ہے تو آپ کو سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ ایک مشکل ہے اور آپ ان کو سمجھ لیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ان کی ایسی ہی حرکت سے جیسا کہ ان کا سلوک مسلمانوں پر ظلم ہے

© www.ahlehadeethforum.com © www.kalhoothkhi.com

عجیب سازش

جماعت مؤمنین "اللہ کے امر کے بغیر مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا" کا یقین [illegible] کی [illegible] کا کہنا ہے
کسی حدیث کا یا قرآنی آیات، احادیث کے مفہوم کے خلاف ہے
کہا جاتا ہے کہ حضور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق
[illegible] کہ اللہ کی طرف سے [illegible] کیا جاتا ہے اور لوگ [illegible] کہ ان کی ذات میں سب کچھ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے [illegible] ہے [illegible] کہ اللہ تعالیٰ [illegible] ساز [illegible] مسلمانوں کو گمراہ

تربیت آگے

جماعت قرآنی [illegible] یہ ہے کہ اس کائنات میں تمام افعال و احوال اللہ کے امر سے ہو رہے ہیں۔
یعنی کائنات میں [illegible] حالات
پھر اس کائنات میں جو کچھ بھی اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے "وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ"
اور [illegible] کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے
دلیل یہ [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] حالانکہ [illegible]
[illegible] اعمال [illegible]

یہ سب تمام افعال کا [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] "[illegible]" [illegible] اور [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] تمام [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام افعال [illegible] اللہ تعالیٰ کی مخلوق [illegible] اچھے ہوں یا
برے [illegible] افعال [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] اس کا علم بھی [illegible]

اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین

سوال: اللہ تعالیٰ سے تمام افعال کا صدور [illegible] جب کہ قرآن مجید میں ہے [illegible]

© www.ashabulahdeesh...com
© www.kutubsunnat.com

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" "اللہ ہر شے پر قادر ہے"

جواب: بے شک اللہ تمام افعال کے مصدر کی نسبت کرنا قطعاً درست نہیں کیونکہ بعض افعال ایسے ہیں جن کا قدرت کے ساتھ متصف ہونا عیب ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ [illegible] وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا۔" انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد کا دعویٰ کیا حالانکہ رحمٰن کی شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائے اور بیٹے [illegible] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اور سورۃ یونس میں ہے۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ۔" انہوں نے کہا اللہ نے بیٹا بنایا، پاک ہے وہ، وہی بے نیاز ہے، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کی مخلوق ہے [illegible] تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں، تم فرماؤ وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا [illegible]

چند ناخلف حضرات کے [illegible]

بعض لوگ اللہ تعالیٰ [illegible] کہتے ہیں کہ تمام افعال کا صدور اسی سے ممکن ہے [illegible] اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ کر سکتا ہے مگر وہ [illegible] افعال قبیحہ نہیں کرے گا۔

[illegible] دیکھئے [illegible] اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں مگر [illegible] عظمت شان کی مخالفت ہو رہی ہے [illegible] اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے [illegible] اس کی قدرت کے منافی ہے۔

● [illegible] اس سے معلوم ہوا کہ [illegible] حضرات کی [illegible] کا لحاظ نہیں [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] سکتا ہے [illegible] عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ [illegible] اللہ تعالیٰ افعال قبیحہ کر سکتا ہے [illegible] نہیں [illegible] افعال میں کوئی [illegible] اللہ تعالیٰ ان افعال کو نہیں کرے گا [illegible]

یہ سمجھتے ہیں کہ اس وجہ سے حقیقتاً ان افعال کے صدور کی نفی ہوتی ہے اسی وجہ سے عوام ان کے ساتھ ان کی نفی کرتے ہیں کیونکہ ان افعال کی نسبت سب انھیں کی طرف کرتا ہے خود اپنے آپ کو تعالیٰ سے ثابت ضروری ہے جو ہر نقص اور عیب سے پاک ہے اسی کا اظہار سورہ مومنون میں ان الفاظ میں فرمایا۔ "مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" ترجمہ: اللہ نے اپنے لئے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔

- "سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں ناقص ہیں ان کی نسبت اللہ کی طرف کرنا درست نہیں۔ اس سے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ سے ہر کام کا صدور ممکن ہے بالکل غلط اور لغو ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نہیں کی کسی کو یہ حق نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے منسوب کرے۔

"شئ" کا مفہوم

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" [illegible] عیب [illegible] نقص و عیب ہیں [illegible] ہیں وہ تحت المشیت الالٰہی ہیں اور [illegible] نہیں۔

ایک نکتہ: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کسی نہ کسی صفت کو ظاہر کرتے ہیں جیسا "قدیر" قدرت [illegible] "شئ" [illegible] اللہ تعالیٰ کا اسم [illegible] ہے [illegible] بیان کرتے ہیں [illegible] کے معنی کی طرف بھی توجہ نہ دیا۔

- [illegible] اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہو سکتا ہے [illegible] قدرت میں داخل ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو عاجز بنا سکتا ہے [illegible] اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو عاجز بنا سکے [illegible] اگر [illegible] عاجز ہو گیا [illegible] عاجز ہونے کی نفی ہے۔

© www.anjumanzeen.com © www.kashmiri.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سید ارشد سعید کاظمی

[illegible]

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انا اول شافع و اول مشفع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور سب سے پہلا وہ ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی

صلاح المؤمنین

حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید شاہ کاظمی مدظلہ العالی

بزم سعید: جامعہ انوار العلوم ٹی بلاک نیو ملتان

www.arshadsaeedkazmi.com

اس رسالہ میں ابتداء اس بات کا بیان ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں اختلاف نہیں

بروزِ قیامت

کوئی سفارش نہیں کرے گا مگر اللہ کی اجازت سے

جز (الف)

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ

سورۃ الانعام آیت ۷۰

کوئی نہ ہوا اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ

اس طرح پر کہ اللہ کے سوا کوئی نہ حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا (سورۃ الانعام آیت ۵۱)

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ

سورۃ المدثر آیت ۴۸

پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش سفارش کرنے والوں کی یعنی شفاعت کرنا اور کسی سفارش روزِ قیامت ان لوگوں کو نفع نہ دے گی

جز (ب)

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰۹

اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر (اس کی سفارش کام آئے گی) جس کو حکم دیا رحمٰن نے

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۵)

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء آیت ۲۸)

اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں

ترجمہ: از مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی المعروف شیخ الہند

نوٹ: قوسین یعنی بریکٹ والے الفاظ [illegible] ترجمہ

جز (الف) کی آیات سے ظاہر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا لیکن جز (ب) کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پیارے بندوں کو شفاعت یعنی سفارش کرنے کی اجازت دے گا اور پھر وہ ان کی سفارش کو قبول فرمائے گا

© www.urduhijaabforum.com © www.hafeez666.com

۳

اسلئے ارشاد ہوا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۵۵

کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے۔

دیکھو الف، اور دیکھو ب، کی آیات ایک دوسرے کی بظاہر مخالف ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔

اور اگر وہ (قرآن) اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت تناقض پاتے۔ سورۃ النساء

تو اب قابل فہم امر یہ ہے کہ اس فرمان الٰہی کے باوجود قرآن کی مذکورہ بالا آیات شفاعت میں اختلاف کیوں ہے؟

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں قطعاً اختلاف نہیں کیونکہ نمبر الف کی آیات کا مفہوم ہے اللہ کی اجازت اور اذن کے بغیر کوئی شافع سفارش کرنے والا نہیں اور نمبر ب کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اذن الٰہی کے بعد انبیاء، اولیاء سفارش کریں گے۔

چنانچہ یوں ارشاد ہوا:

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۔ سورۃ یونس آیت ۳

کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

خلاصہ کلام یہ ہوا جب تک اللہ تعالیٰ شفاعت سفارش کی اجازت مرحمت نہیں فرمائے گا اس وقت تک کسی کی سفارش قابل قبول نہ ہوگی لیکن جب من جانب اللہ برگزیدہ بندوں کو اذن شفاعت مل جائے گا تو وہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

شفاعت کفار

یہ بات واضح رہے کہ اللہ کفار و مشرکین سے راضی نہیں اس لئے ان کے لئے شفاعت کا تصور بھی نہیں

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ۔ سورۃ الانبیاء آیت ۲۸

اور وہ شفاعت اسی کی کرتے ہیں جسے رب پسند فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی سے سفارش کرے اسلئے اللہ تعالیٰ کے شفیع ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ سفارش کو قبول فرماتا ہے تو اب سورۃ زمر کی آیت :

"قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا"

(فرما دیجئے اللہ ہی کیلئے ہے سب شفاعت)

کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام کی سفارش کو جس کی اس نے اجازت عطا فرمائی ہے۔ ضرور قبول فرمائے گا۔

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

جز نمبر ۱

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ سورۃ النحل آیت ۷۷

اور اللہ ہی کے پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے پلک لگانا یا اس سے بھی قریب اور اللہ [illegible] ہے

اللہ نے اپنے پیغمبروں کو غیب کی وحی کرائی ہے

جز نمبر ۲

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ سورۃ الجن آیت ۲۶

جاننے والا بھید (غیب) کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ

© www.[illegible].com

© www.[illegible].com

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۔ سورۃ الانعام آیت ۵۰

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔

رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۷۹

اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔ (وعلم غیب دینے کے لیے)

ترجمہ: از مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی المعروف شیخ الہند

نوٹ: قوسین برائے افہام ہیں نہ کہ جزو ترجمہ

نمبر ۱ کی آیات سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن نمبر ۲ کی آیات سے واضح ہو رہا ہے کہ علم غیب اللہ نے اپنے پیارے رسولوں اور پیغمبروں کو بھی عطا فرمایا ہے۔ ان مذکورہ بالا آیات میں بظاہر اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی حالانکہ قرآن مجید میں جن آیات کے احکام باقی رکھے گئے ہیں۔ ان میں اختلاف نہیں ہے۔

اس لیے ان دو مختلف قسم کی آیات سے بھی امت مسلمہ کو راہ ہدایت دکھانا مقصود ہے۔ غور کیجیے نمبر ۱ سے اس فرقہ کا رد ہے جن کا انبیاء اور اولیاء کے متعلق اعتقاد ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہے بالکل اسی طرح انبیاء اور اولیاء کو بھی علم غیب ہے۔ اس لیے قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ کا مفہوم یہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو علم غیب ہے اس طرح کسی کو نہیں۔

اور نمبر ۲ کی آیات میں ان حضرات کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں۔ اللہ نے

انبیاء اور اولیاء کو دولت علم غیب سے نہیں نوازا۔ اس بنا پر ارشاد ہوا۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۳

اور آپ کو وہ کچھ بتایا جو آپ نہ جانتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسولوں کو عطا فرمایا ہے۔ لیکن رب العالمین کا علم غیب کسی کی عطا نہیں، بلکہ وہ از خود ازل سے عالم الغیب ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

پیغمبروں کو جو علم غیب دیا گیا ہے اس سے مراد محض علم شریعت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۹

اور بتاتا ہوں تم کو جو تم کھا کر آؤ اور جو رکھ کر آؤ اپنے گھروں میں۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے واضح ہو گیا کہ انہیں صرف شریعت کا ہی علم نہیں تھا بلکہ وہ تو گھروں میں چھپ کر کئے جانے والے افعال سے بھی آگاہ تھے۔

رہا یہ سوال، رسولوں کے لیے علم غیب تو قرآن مجید سے ثابت ہے لیکن اولیاء اللہ کے اطلاع علی الغیب پر کیا دلیل ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۔ سورۃ التکویر آیت نمبر ۲۴

اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں میں غیب کی

دولت تقسیم فرمانے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ جس غلام میں جتنی صلاحیت ہوگی اسی قدر علوم غیبیہ اور اسرارِ الٰہیہ کا فیضان اس پر کیا جائے گا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے لئے حصولِ علمِ غیب اللہ کی عطا اور تقسیمِ رسول سے ہوتا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کے تحت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی المعروف شیخ الاسلام اپنے حاشیۂ قرآن مجید میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

"یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے۔ ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکامِ شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتے۔ نہ اجرت مانگتا ہے نہ نذرانہ۔"

الاستعانة والوسيلة

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو کیا غلام کا آقا سے، بیٹے کا باپ سے، ملازم کا افسر بالا سے، رعایا کا بادشاہ سے، مرید کا پیر سے اور امتی کا نبی سے مدد مانگنا شرک ہے؟

سوال مذکورہ اس وقت ہوگا جب ہر قسم کی مدد طلب کرنا حرام اور شرک ہو اور طلبِ مدد کا ہر جگہ موجبِ شرک ہو۔ اگر مدد مانگنا مطلقاً شرک ہو تو کوئی بشر اس شرک سے محفوظ نہیں۔ کیونکہ نبی نے اپنے امتیوں سے دین کے سلسلے میں مدد طلب کی۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ۔ (سورۂ محمد آیت ۷)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد فرمائے گا۔

اگر ہر طرح کی مدد مانگنا شرک ہو تو یہ کہنا کیونکر جائز ہو گا کہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ" فرما کر اللہ نے بھی تعلیم شرک دی (والعیاذ باللہ) گویا یہ ایک ایسی توحید ہمارے سامنے آ گئی جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، بلکہ اس توحید کی مخالفت خود رب تعالیٰ نے آیت مذکورہ سے فرمائی۔

اس تقابل کا مفہوم اور یہ ہے کہ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کا مفہوم کیا ہے؟

اس بارے میں گزارش ہے "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" سے اس بات کا اظہار جتلانے پر ہو گا .... جس طرح ہم تجھے مستعان حقیقی جانتے ہیں اس طرح کسی اور کو نہیں جانتے۔

باپ کا بیٹے کی، استاد کا شاگرد کی اور نبی کا امتی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا تیری عطا کردہ قوت سے ہے جو تیری رضا یا مشیت سے باہر نہیں۔

اسی طرح اسباب سے استعانت کی نفی توحید نہیں اور نہ ہی یہ مطابق نقل و عقل ہے۔ مثلاً بیمار کے لیے علاج سے گریز، کشتی ملاح سے، رزق کے لیے وسائل معاش سے دست برداری اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑوں سے گریز ہی۔

قرآن مجید اور غیر اللہ سے مدد

حضرت ذوالقرنین نے قوم سے فرمایا ......

"اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ" (سورۃ کہف آیت ۹۵) قوت کے ساتھ میری مدد کرو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ......

"مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ" (آل عمران آیت ۵۲)

میرا مددگار کون ہے اللہ کی طرف؟

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" (سورۃ المائدہ آیت ۲)
بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو!

صحابہ کرام کی ایک جماعت انصار ہے۔ انصار کے معنی ہیں مددگار۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ کے رہنے والے لوگوں کو یہ لقب اس وقت عطا فرمایا جب انہوں نے مہاجرینِ مکہ کی مدد کی نیز قرآن مجید میں انہیں اسی لقب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ توبہ آیت ۱۰۰ "السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ"

واضح رہے کہ انبیاء و اولیاء سے فقط مدد مانگنا ہی جائز نہیں بلکہ رب العلمین کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرنا بھی توحید کے منافی نہیں۔ اور انہیں وسیلہ بنانا بھی اس کی دلیل ہے کہ وہ مستعان حقیقی نہیں۔

وسیلہ پیش کرنا بعد از وصال ہو یا قبل از وصال دونوں کا ثبوت احادیث میں ہے۔

ملاحظہ ہو ...... عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون (بخاری جلد اول ص۱۳۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ ہم پہلے اپنے نبی کو تیری طرف وسیلہ بناتے تھے۔ آج اپنے نبی کے چچا حضرت عباس کو تیری طرف

وسیلہ بناتے تھے۔ بس تو ہمیں سیراب کر دے۔ حضرت انس بن مالک نے
فرمایا ان پہ بارش برسائی جاتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد
سیدنا عباس کا وسیلہ پیش کرنا دراصل اس بات کی توضیح تھی کہ غیر نبی کو وسیلہ
بنانا جائز ہے اور اظہار احترامِ نسبت بھی۔

اس سے یہ مفہوم اخذ نہ کیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے نبی کے وسیلہ کا ترک اس
بنا پر کیا کہ آپ کا وصال ہو چکا تھا اور بعد از وصال وسیلہ پکڑنا جائز نہیں!؟
کیونکہ "طبرانی فی الکبیر" میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
بعد از وصال بھی وسیلہ بنایا گیا۔ ملاحظہ ہو..........

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص اُن سے
کسی حاجت کے بارے میں سوال کرنا چاہتا تھا مگر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
مصروفیت امور خلافت کی بنا پر اس کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ تو اُسے ابن حنیف
نے کہا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کی وہ دعا کیوں نہیں کرتے جو آپ
نے ایک نابینا کو ارشاد فرمائی تھی تو اس شخص کے پڑھتے ہی اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔
(اس کی ترکیب یہ ہے) دو رکعت نماز پڑھ کر اس طرح کہو "اللّٰھم انی
اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک و تقضی حاجتی۔

(طبرانی فی الکبیر۔ مجمع الزوائد ابن ماجہ)

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی سراپا رحمت
حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف

© www.[illegible].com © www.[illegible].com

ضرور ہوں۔ بس میری حاجت روائی اور مشکل کشائی کی جائے۔
اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کے نہ چاہتے ہوئے بھی نبی یا ولی مشکل کشائی کر سکتے ہیں یا وہ پروردگار سے زبردستی منوا سکتے ہیں۔ تو اس کے مشرک و مخذول ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔"

بحمداللہ ہمارے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیات میں کوئی اختلاف نہیں۔ یعنی اللہ کے اذن کے بعد رسول سفارش کریں گے اور اللہ کے علم غیب عطا فرمانے سے رسول کو غیب کا علم ہو جاتا ہے لیکن اگر اللہ کی اجازت و عطا نہ ہو تو کوئی شافع، مطلع علی الغیب اور مشکل کشا نہیں ہو سکتا۔ ان آیات کا بیان اور نہج پر بھی ہے۔ لیکن یہاں فقط ایک ہی طریق سے جواب پیش کیا گیا ہے۔

سید ارشد سعید کاظمی

مدرس مدرسہ انوار العلوم ملتان

۲۰ اپریل بروز پیر ۱۹۹۰ء

© www.arshadsaeedkazmi.com
© www.[illegible]

مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

(اللہ کی اجازت کے بغیر وہاں کوئی شفاعت نہیں کر سکتا)

موحد کی صدا

توحید کا معنی

اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات کو شرک سے پاک ماننا ہے یعنی جیسا کہ وہ ہے ویسا کسی کو نہ ماننا۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے وجود یا اس کی دیگر صفات کو جس طریقے سے اس ذات پاک کے بارے میں تسلیم کی تھیں، کسی دوسرے میں بھی مانے تو وہ مشرک ہوگا۔

توحید اور شرک میں فرق

عَلِیْم (جاننے والا) سَمِیْع (سننے والا) بَصِیْر (دیکھنے والا)
قَدِیْر (قدرت رکھنے والا) ـــ یہ تمام اللہ کی صفات ہیں۔

اب آپ خود جائزہ لیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب جاہل، بہرے اندھے اور گونگے ہیں؟ یا کوئی "علم رکھنے والا" "سننے والا" "دیکھنے والا" اور "قدرت رکھنے والا" بھی ہے؟

ساری کائنات چاہے مسلم ہو یا کافر، یہودی ہو یا نصرانی، یہ سب اس بات کی گواہی دیں گے کہ یہ تمام صفات انسان اور فرشتوں وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (پ ۲۹، س دہر، آیۃ ۲)

ترجمہ: ہم نے اس (انسان) کو سننے والا دیکھنے والا بنایا۔

انسان اور پتھر

کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو قدرت اور اختیار سے نوازا ہے؟
اگر انسان کو قدرت اور اختیار نہیں تو پھر پتھر اور انسان میں کیا فرق ہوگا؟ حالانکہ انسان
اشرف المخلوقات ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کو قدرت اور اختیار حاصل ہے اور اسی
طرح علم جو کہ انسانیت کا زیور ہے اور خدا کی صفت بھی ہے سے متصف فرمایا۔

آپ سوچیں گے کہ اللہ بھی مختار، بندہ بھی مختار۔ اللہ بھی علم والا
بندہ بھی علم والا۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟ کیونکہ اللہ کی صفات میں بندے کو شریک کرنا
بھی تو شرک ہے۔ آپ نے ٹھیک سوچا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات
جس طرح اللہ کی ذات میں تسلیم کی جاتی ہیں، بالکل اسی طرح اللہ کے غیر میں ان صفات کو
ماننا شرک ہے۔

لیکن ہم جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح اللہ
کے غیر میں تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اہل حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اختیار اور علم
میں محتاج نہیں اور بندہ اپنے اختیار اور علم میں محتاج ہے۔
وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے اختیار اور علم نہیں دیا اور بندہ کو اللہ تعالیٰ نے
اختیار اور علم دیا ہے۔ یعنی آپ اس بات کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم
اور اختیار ذاتی ہے اور بندے کا عطائی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہے۔ اور
ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ اپنے بندے کو جتنا چاہے علم اور اختیار دے۔ اس کے لیے کوئی
رکاوٹ نہیں۔
اس کو شرک قطعاً نہیں کہ بندے کو جب اختیار مل جاتا ہے تو وہ اللہ
اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرے گا۔ جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ بلکہ

اس دائرے میں اذن اور اختیار ہوتا ہے کہ رضائے ایزدی اور مشیت الٰہی کے خلاف کوئی کام نہ کر سکے۔

مُردوں کا زندہ ہونا

اندھے اور کوڑھیوں کو درست کرنا اور مُردوں کو زندہ کرنا غیر اللہ کے لئے قرآن مجید سے ثابت ہے۔ وضاحت: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے فرمایا:

وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ

"اور میں اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے" (پ ۳، آل عمران)

اور اسی طرح جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کو منگوانے کا قصد فرمایا تو قرآن مجید میں آتا ہے جو شخص جس کو کتاب کا علم تھا (آصف بن برخیا) نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی:

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ (پ ۱۹، النمل)

"میں وہ تخت آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کئے دیتا ہوں"

اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبیوں اور ولیوں کو کوئی اختیار نہیں، تو یہ صراحتاً قرآن مجید کے خلاف ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ نبیوں اور ولیوں کو خود کسی قسم کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ جب اللہ چاہتا ہے تو ان سے معجزے اور کرامت کا ظہور کر دیتا ہے گویا کہ یہ بلب اور بٹن کی طرح ہیں کہ روشنی دینے میں بلب اور بٹن کو کوئی اختیار نہیں جب بٹن دبا روشنی ہو گئی کیونکہ بلب اور بٹن کو خود اختیار ہوتا تو کبھی تو بغیر بٹن دبائے روشن ہو جاتے۔ حالانکہ اس طرح نہیں، یہی ثابت ہوا کہ بلب اور بٹن کو کوئی اختیار

۵

نہیں ـــــ اولیاء کرام اور انبیاء عظام کو شریب اور طبیب کی مثل قرار دینا، یہ بالکل باطل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا، وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ یعنی اور میں اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے اذن سے ـــــ اور حضرت آصف بن برخیا کا فرمان، اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ ...... الخ ، یعنی میں خود بلقیس تخت لے کر آتا ہوں ـــــ

ان دونوں آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت آصف بن برخیا نے کام کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب سے مردوں وغیرہ کو جلا دیتا ہے، یا اللہ تعالیٰ ـــ میری وجہ سے تخت بلقیس کو یہاں پہنچا دے گا، بلکہ اندھے وغیرہ کو درست کرنے اور تخت بلقیس کو لے کر آنے کی نسبت اپنی طرف کی یعنی یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کوڑھی کو درست کرنے، مردوں کو زندہ کرنے اور تخت بلقیس کے لانے کی قوت اور اختیار ہمیں عطا فرما دیا ہے۔

یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ ہر شخص کو اس قسم کا اختیار نہیں ملتا بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ مناسب سمجھتا ہے مخصوص قدرت و اختیار سے نوازتا ہے۔

اب آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ وہ لوگ جن کو یہ قوت و اختیار ہے کیا وہ ہم سے بہتر منصب پر فائز نہیں ؟ اور جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔

یعنی جس کا اللہ تعالیٰ شرح صدر کر دے وہ اللہ کی جانب سے ایک نور عظیم پر ہوتا ہے۔ (پ ۲۳، س ، الزمر)

یعنی وہ شخص جو نور عظیم پر ہو، وہ ایک عام شخص سے کہیں بلند و بالا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم کو اس کے اہل کی طرف ہی سونپتا ہے۔

تو یہ بات کہہ دینے میں کیا حرج ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ خاص طاقت

اور بزرگی کا منصب عطا فرمایا ہے وہ جوہر سے کہیں بلند و بالا ہیں ــــــ !

اگر آپ تمام تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر عقل کو طالب حق بنا کے جوہر سے مہمیز لگائیں اور اس رسالے میں غور کریں تو انشاء اللہ حق روز روشن کی طرح آپ پر واضح ہو جائے گا۔

تعارف

مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم میں حضرت علامہ [illegible] کاظمی
کی سرپرستی میں بزم سعید کے نام سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اراکین بزم سعید * انوار العلوم * کچہری روڈ * ملتان

خوشخبری

امام اہلسنت غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ
سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ
کی
مایہ ناز تفسیر

التبیان

اول پارہ عنقریب منظر عام پر آرہا ہے

مقالاتِ کاظمی

حصہ چہارم

بزم سعید مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان کی جانب سے
عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔

مقالات کاظمی کے تمام حصوں کے جملہ حقوق محفوظ کر لئے گئے
ہیں۔ لہٰذا کسی پبلشر کو ان کی اشاعت کی اجازت نہیں۔

خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ

وہ شخص تم میں سب سے بہتر ہے جس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی

دنیائے اسلام کی عظیم دینی درسگاہ

جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم (رجسٹرڈ) ملتان

[illegible] انوار العلوم ہے۔ [illegible] علوم دینی کی اشاعت و تبلیغ میں مشغول ہے [illegible] اسلام کے [illegible] ہیں۔ [illegible]

[illegible] جدید عمارت تعمیر [illegible] کا آغاز کر دیا ہے۔

[illegible]

[illegible] کی قوم [illegible]

منجانب

اراکین جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان

فون ۵۵-۷۴۹/۲۰۲۳۹

مقدمہ

فقیر نے مسلسل عرصہ طویل تک مسلمانوں کے کثیر فرقوں کے موقف کا مطالعہ کیا اور بوقت مطالعہ ذہن کو کسی بھی ایک فرقے کے رجحان سے خالی رکھا یعنی یہ نہیں کہ جیسے عموماً ہوتا ہے ایک نقطۂ نظر قائم کرنے کے بعد اسی کی تائید میں دلائل سوچتے اور بناتے رہتے ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو بالکل خالی الذہن کرنے کے بعد ہر مسئلے کی تحقیق از سر نو فرمائی کیونکہ بندہ یہ سمجھتا ہے کہ جب تک تحقیق اس انداز سے نہ کی جائے حق واضح نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ہم نے اپنے اس رسالے میں قرآن اور حدیث سے ہی استدلال کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو ذہن میں آئی وہ لفظ آتی تھی کہ جس چیز کے بارے میں رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائے کہ آپ مجھ سے فلاں چیز طلب کریں اور حضور سرور کی طلب کے باوجود اگر اس کی عطا میں کچھ کمی یا قلت سے کام لیا جاتا تو رب تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ یا مانگنے کا حکم ہی نہ دیا ہوتا جب عطا کرنے دیا تب مانگنے کا فرمایا یہ اس کے وعدۂ رحمت میں ہے۔

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وقل رب زدنی علما" اور آپ اپنے رب کے حضور یوں عرض کیجیے کہ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ فرما۔

پروردگارِ عالم کے اس فرمان کے بعد ظاہر ہے کہ سرکار نے اس حکم کی تعمیل فرمائی جیسا کہ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ (بحوالہ مشکوٰۃ، ص ۲۱۹) "اے اللہ مجھے نفع دے اس علم سے جو تو نے مجھے عطا فرمایا اور مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے فائدہ پہنچائے اور میرے علم کو زیادہ فرما۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔"

آیت مذکورہ میں "عِلْمًا" کو نکرہ ذکر کیا، "اَلْعِلْمَ" یعنی معرفہ ارشاد نہیں فرمایا جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں کسی ایک خاص علم کا ذکر نہیں بلکہ مطلق علم کو بیان کیا ہے گویا یوں ارشاد ہوا کہ اے حبیب آپ مجھ سے علم طلب کریں آپ طلب کرنے میں کوئی قید لگائیں کہ فلاں علم عطا ہو اور فلاں نہ ہو نہ میں عطا کرنے میں کوئی کمی واقع کروں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کا علم عطا فرمایا اور یہ علم کسی فرشتے کے ذریعے سے آدم علیہ السلام تک نہیں پہنچایا گیا بلکہ براہ راست پروردگار نے عطا فرمایا۔ تبھی تو فرشتے ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے حالانکہ آدم علیہ السلام ان سے بخوبی آگاہ تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (سورۃ بقرۃ آیت ۳۱)

اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ فرمایا تم ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ لیکن وہ نہ بتا سکے۔

غرض مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین کو بھی بغیر فرشتے کے علم غیب

عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ فرشتے کے ذریعے سے بھی عطا فرمائے، تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فرشتے کو غیب حاصل ہو گیا، جو اللہ نہیں، غیر اللہ ہے۔

جب آدم علیہ السلام کے علم کا یہ عالم ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا کہنا! اور یہی آیت لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ نمل آیت ۶۵) "غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کے سوا" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے کے بغیر کسی کو غیب کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو بتاتا ہے تو اسے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورۃ جن آیت ۲۶، ۲۷) "غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو کامل اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں اس نے پسند فرمایا جو اس کے سب رسول ہیں۔" انشاء اللہ العزیز ان آیات پر آگے چل کر مفصل کلام کیا جائے گا۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

پیغمبروں کو جو علم غیب دیا گیا اس سے مراد محض علم شریعت نہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے واضح ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (سورۃ آل عمران آیت ۴۹) "اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان سے واضح ہو گیا کہ انہیں محض شریعت ہی کا علم نہیں تھا بلکہ وہ تو گھروں میں چھپ کر کیے جانے والے افعال سے بھی واقف تھے۔

الغرض ہم اس رسالہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب پر مطلع

© www.arshadsaeedhomo.com © www.hafeezkhk.com

ہونے کی تحقیق پیش کرنا چاہتے ہیں۔ خواہ اسے علم غیب سے تعبیر کیا جائے یا خبر غیب سے کچھ فرق نہیں کیونکہ غیب کا علم عطا فرمانے والا بھی اللہ ہے اور غیب کی خبر بھی وہی دیتا ہے۔ چونکہ نبی کے غیب پر باخبر ہونے کو علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے ہم بھی اسی طریقے کو اپنائیں گے۔

سر دست بخاری اور مسلم کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کا شاید کچھ اندازہ لگا سکیں۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَشْیَاءَ کَرِھَھَا فَلَمَّا اُکْثِرَ عَلَیْہِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَۃُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اَبُوْکَ سَالِمٌ مَوْلٰی شَیْبَۃَ (بخاری جلد ۱ ص ۱۹، مسلم جلد ۲ ص ۲۶۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ ایسی باتوں کے بارے میں پوچھا گیا جن کے دریافت کرنے کو سرکار نے ناپسند فرمایا۔ تو جب ان سوالات کے بارے میں بہت زیادہ اصرار کیا گیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلال آگیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا تم مجھ سے جو چاہو پوچھو۔ ایک شخص جس کے نسب کے بارے میں اختلاف کیا جاتا تھا اس نے عرض کیا حضور میرا باپ کون ہے؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے بھی یہی سوال کیا کہ یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا شیبہ کا غلام سالم تیرا باپ ہے۔

حدیث شریف میں: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

© www.arshadmasoodhashmi.com © www.fwailinetalbe.com

عن اشیاء کرھھا فلما اکثر غضب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی چیزوں کے متعلق پوچھا جانے لگا جن کے اظہار کو سرکار ناپسند فرماتے تھے پھر جب ان چیزوں سے متعلق کثرت سوالات ہونے لگے تو آپ کو جلال آ گیا) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کچھ چیزوں کے اظہار کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور یہ ناپسندیدگی اس بنا پر تھی کہ کہیں فتنہ و فساد کو ہوا نہ ملے جیسا کہ مسلم میں ابن شہاب کی روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور سرکار نے جواب عطا فرمایا کہ آپ کا باپ حذافہ ہی ہے۔ تو ان کی والدہ نے ان سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ تو بہت نالائق بیٹا ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا خدانخواستہ اگر تیری ماں سے کچھ قصور ہوا ہوتا تو وہ تیری وجہ سے کتنی رسوا ہوتی۔ (اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی حبشی غلام کو میرا باپ ارشاد فرما دیتے تو میں اسی پر یقین کر لیتا۔ (مسلم شریف ج۲، ص۲۶۳)

آپ نے خود فرمایا کہ ایسے امور کے ظاہر کرنے میں فتنہ و فساد کا باعث اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مزید یہ کہ رب العالمین نے بھی ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (سورۃ مائدہ آیت ۱۰۱)

اے ایمان والو! وہ باتیں نہ پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

حدیث مذکور کے لفظ سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ (تم مجھ سے جو چاہو پوچھو) سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تمام چیزوں کا علم ثابت ہے۔ اگر کوئی آپ کے علم کا رد کر سکتا ہے تو دلائل لائے ہم ان شاء اللہ قیامت تک

دور ہو سکے گا کیونکہ مجیب نے اس مسئلہ کی تحقیق میں نہ اپنے خلوص پر شبہ ہے اور نہ ہی تحقیق میں کوتاہی سے کام لیا۔

اس حدیث کی دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔ سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا (بخاری جلد ۱ ص ۰۰۰) یعنی جب تک میں اس جگہ (منبر) پر موجود ہوں تم مجھ سے جو کچھ چاہو پوچھو، تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔

اس روایت سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب تک آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے، تمام چیزوں کا علم رکھتے تھے۔ مگر جونہی آپ منبر سے نیچے تشریف لائے تمام چیزوں کا علم آپ کے پاس نہ رہا۔

اس بارے میں گذارش ہے کہ جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان باتوں کا اظہار بے وقت نامناسب تھا اس لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کے اصرار کی بنا پر ارشاد فرمایا کہ اس وقت جو کچھ بھی پوچھنا ہو پوچھ لو لیکن اس کے بعد تمہیں جواب دینے کا پابند نہ ہوں گا، اور یہ بات بھی کسی پر مخفی نہیں کہ نبی کی بعثت کا مقصد ایسے امور کا اظہار کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ تو لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔

اس بارے میں مزید عرض ہے کہ جب ایک لمحہ کے لئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تمام چیزوں کا علم ثابت ہو گیا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے مکمل علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک نہیں، کیونکہ اگر یہ عقیدہ شرک کی دعوت دیتا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا اظہار نہ فرماتے کیونکہ نبی کی بعثت کفر و شرک کو ختم کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ ترویجِ شرک کرے۔

اور یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک منبر پر جلوہ گر رہے اس وقت تک آپ کو تمام موجودات کا علم تھا مگر اس کے بعد نہ رہا یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ علم بعد میں سلب کر لیا، یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ جب کہ بخاری شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء کے سینوں سے علم سلب نہیں فرماتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنے نبی سے علم عطا فرمانے کے بعد چھین لے۔ حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ (بخاری جلد اول ص ۲۰) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے علما کے سینوں سے سلب کرے بلکہ وہ علما کو موت دے کر علم کو اس دنیا سے اٹھائے گا۔

حدیث مذکور سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اُمتی صحیح عالم دین کی شان یہ ہے کہ اس کے سینے سے علم سلب نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ اس نعمت عظمیٰ کے ساتھ واصل الی اللہ ہوگا۔ تو یہ کس طرح ممکن ہے؟ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ کو علم عطا فرمانے کے بعد سلب کر لیا جائے۔

الغرض علمائے حق کا مسلک ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر علم غیب بتدریج ظاہر فرمایا گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف ذوالقرنین اور روح کے بارے میں پوچھا گیا تب آپ اس بات کے منتظر ہے کہ آپ کا رب کب ان چیزوں کا علم عطا فرماتا ہے۔ جب تک ان امور سے متعلق نہیں بتایا گیا۔ تب تک آپ یہی فرماتے رہے کل آنا کل بتاؤں گا۔ پھر چند دن بعد اللہ نے آیات نازل فرمائیں جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ اور روح سے متعلق بیان ہوا۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ کے بتانے سے نبی کو علم غیب ہوتا ہے۔ علمائے حق کا مسلک ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال سے پہلے آپ کو تمام موجودات کا علم عطا فرما دیا گیا۔ کیونکہ سرکار کا فرمان ہے۔ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ

۸

فتجلی لی کل شیء (ترمذی شریف ص [illegible] ج ۲، مشکوٰۃ شریف ص [illegible]) میرے لیے تمام چیزیں ظاہر کر دی گئیں تو میں نے ان تمام کو پہچان لیا۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

حدیث مذکور کے متعلق یہ بات کہنا کہ یہاں "کل شیء" کا معنی کچھ ہے یعنی کچھ چیزیں مجھ پر منکشف کی گئیں

بڑا مضحکہ خیز ہے۔ کیوں کہ "کل" کچھ کے معنی میں وہاں آتا ہے جہاں تمام کا معنی مراد لیا جانا ممکن نہ ہو۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تمام علوم اور کا علم دوسری روایات سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ حدیث ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سرکار نے بھرے مجمع میں فرمایا "سلونی عما شئتم" ۔ مجھ سے جس قسم کے سوالات چاہو پوچھو۔ ورنہ بصورت "فتجلی لی کل شیء" میں کل کو کچھ کے معنی میں لینا کس قدر ناانصافی ہوگی۔ مذکورہ بالا حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمانے کے بعد کوئی بھی چیز پوشیدہ نہ رہی۔

محترم قارئین! تتبع اور تلاش کے بعد امت مسلمہ میں علم غیب سے متعلق چار مذہب نظر آتے، ہر ایک کا بیان علی الترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

علم غیب سے متعلق مذاہب

اس رسالہ میں علم غیب سے متعلق چار مذہب ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔

۲۔ صرف ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں۔
۱۔ قیامت کب آئے گی۔ ۲۔ بادل کب برسیں گے۔ ۳۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ ۴۔ انسان کل کیا کرے گا۔ ۵۔ اس کی موت کہاں واقع ہوگی۔

۳۔ صرف قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کا علم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا۔

ہر ایک غیب سے متعلق الگ الگ معروضات ملاحظہ ہوں

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں

حالانکہ قرآن مجید میں ہے: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ

غیب کا جاننے والا اپنے کامل غیب پر اپنے رسولوں کے علاوہ کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔

اور اسی مسئلہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی المعروف شیخ الاسلام اپنے حاشیہ قرآن مجید میں کس طرح رقمطراز ہیں: یعنی وہ پیغمبر جس قسم کے غیب کی خبر دیتا ہے خواہ ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء وصفات سے احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتے نہ اجرت مانگتا ہے نہ ...

حاشیہ ... صفحہ ...

خود قرآن نے جو شخص غیر اللہ سے علم غیب کا عقیدہ منکر ہو اسے علم غیب کے ثبوت کے لئے ایک حدیث ہی کافی ہے کیونکہ اگر ایک حدیث سے بھی غیر اللہ کا علم غیب ثابت ہو جائے تو یہ کہنا غلط ہو جائے گا کہ اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔

احادیث ملاحظہ فرمائیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ موتہ کے موقع پر زید بن حارثہ کو سپہ سالار بنایا پھر فرمایا کہ زید بن حارثہ غزوہ میں کام آجائیں تو جعفر تمہارے امیر ہوں گے اور

© www.ahlehaqmedia.com © www.kutubkhana.com

اگر یہ بھی شہید کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ تمہارے امیر ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی کام آجائیں تو پھر تم لوگ اپنی جماعت سے کسی کو سپہ سالار منتخب کر لینا۔ اور جب ادھر جہاد شروع ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی محفل میں تشریف لائے اور انھیں سینکڑوں میل دور جہاد کی صورت حال سے اس طرح آگاہ فرمایا جیسے کوئی میدان کارزار میں کھڑے ہو کر تمام واقعات دیکھ کر بیان کرتا جائے اور یہ بات بخاری شریف میں اس طرح مروی ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعی زیدا وجعفرا وابن رواحۃ للناس قبل ان یاتیہم خبرہم فقال اخذ الرایۃ زید فاصیب ثم اخذ جعفر فاصیب ثم اخذ ابن رواحۃ فاصیب وعیناہ تذرفان حتی اخذ الرایۃ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیہم۔ ([illegible])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابھی حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہونے کی اطلاع نہیں آئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام حاضرین محفل کو ان کی شہادت کی خبر سنائی اور اس طرح ارشاد فرمایا کہ زید نے جھنڈا لیا اور وہ شہید ہو گئے اور اب جعفر نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے اور پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور پھر فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے وہ جھنڈا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

حدیث مذکورہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سینکڑوں میل دور کی خبریں مدینہ منورہ میں بیٹھے بیٹھے دیں۔

عراق پر اقتصادی پابندیوں کے بارے میں ارشادِ نبوی

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعت العراق درھمھا و قفیزھا (مسلم شریف، ص ۳۹۳ ج ۲)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ عراق کے درہم اور اس کا غلہ روک دیا جائے گا (یعنی اس پر اقتصادی پابندیاں لگ جائیں گی)۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف سینکڑوں میل دور ہی کی خبریں نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ہزاروں سال بعد ہونے والے واقعات سے بھی باخبر کرتے تھے آج ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عراق سے متعلق حرف بحرف پورا ہوا۔ اگر کوئی فرد یہ حالات دیکھنے کے بعد بھی ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انحراف کرے تو خدا ہی اسے عقلِ سلیم عطا فرمائے تو فرمائے .... ورنہ

دُوسرا مذہب

ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

۱۔ قیامت کب آئے گی۔ ۲۔ بادل کب برسیں گے۔ ۳۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ ۴۔ انسان کل کیا کرے گا۔ ۵۔ اس کی موت کس جگہ واقع ہو گی۔

تشریحِ سوال جن حضرات نے ان پانچ چیزوں کے علم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص مانا ہے۔ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق سورہ لقمان کی آخری آیۃ سے استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو۔

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ

© www.arshadsaeedhamid.com © www.hamfasahib.com

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، قیامت کا علم وہ بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کل وہ کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا وہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ ہی جاننے والا خبر دینے والا ہے۔

اگر اس آیت کریمہ کا مفہوم یہی ہو جو بعض لوگوں نے سمجھا کہ اللہ کے سوا کسی کو ان پانچ چیزوں کا قطعاً علم نہیں اور پروردگار ان کا علم کسی کو نہیں دیتا ہے تو یہ قرآن و حدیث کی صریح مخالفت ہوگی کیونکہ انبیاء کرام بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا علم ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے مزید یہ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان چیزوں سے متعلق ارشاد فرمانا اس آیت کا صحیح مفہوم ظاہر کر رہا ہے۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ ان کا علم عطا فرما دیتا ہے وہ اس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس بات سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں کہ ان پانچ چیزوں کا علم ہو یا ان کے علاوہ دیگر اشیاء کے علوم سب اللہ ہی کے پاس ہیں۔ لیکن ان پانچ چیزوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص رکھے ہوں۔

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ ان پانچ چیزوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے کا مقصد یہ نہیں کہ ان کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا بلکہ یہاں اس بات پر تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ انسان کی تخلیق اس کی زندگی اور اس کے اعمال پر جزا و سزا کا مکمل اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔

۱۴

اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو

زیر بحث آیت میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے۔ ۱۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ ۲۔ انسان کل کیا کرے گا۔ ۳۔ اس کی موت کہاں واقع ہوگی۔ ۴۔ بارش کب برسے گی۔ ۵۔ قیامت کب آئے گی۔

ان مذکورہ بالا اشیا میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انسان کی تخلیق سے لے کر اس کے انجام تک کے ہر پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاق عالم کائنات نے انسان کی تخلیق کا ذکر "وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ" وہ جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے" سے فرمایا۔ پھر بارش سے غذا اور اناج اگتا ہے جو انسان کی حیات و بقا کے لئے ضروری ہے اس سے رازق حقیقی نے انسان کے رزق اناج اور غذا کا ذکر "وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ" وہی بارش برسانے والا ہے" میں اشارۃً فرمایا اور علیم و علام الغیوب نے انسان کے آئندہ پیش آنے والے واقعات سے باخبری کا اظہار "وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا" کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے" سے فرمایا۔ حیات کائنات نے انسان کی موت کے مرحلے سے باخبری کی طرف اشارہ "وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ" کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بجز اللہ تعالیٰ جانتا ہے" سے فرمایا۔ اور اللہ عزوجل نے انسان کے حساب و کتاب اور انجام کا ذکر "إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ" اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے" سے نہایت حسین پیرایہ میں فرمایا۔

پس معلوم ہوا کہ ان پانچ چیزوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر در اصل خالق اور مخلوق کے درمیان ایک خصوصی تعلق اور رابطہ کا اظہار ہے اور یہ بیان کر

حضور ہے کہ انسان جس حال میں ہو خدا کی قدرت سے باہر نہیں، بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ خدا کے سامنے ہے۔ اس لیے انسان کو ہر وقت اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں رہنا چاہیے۔

اگر آیت مذکورہ کا مطلب یہی لیا جائے کہ پانچ اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے اور اس نے ان کا علم کسی کو نہیں دیا تو یہ خیال قرآن و حدیث کی رو سے درست نہیں، کیونکہ کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو ان مذکورہ بالا اشیاء کی خبر ہو جاتی ہے۔

آیت کریمہ کے الفاظ سے بھی یہ بات صاف صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ ان امور کو کوئی شخص اپنے اندازے یا کسی حیلے سے نہیں جان سکتا، کیونکہ یہاں "تدری" کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے جو عربی زبان میں اس علم کے لیے مستعمل ہے جسے کسی حیلے یا اندازے سے جانا جائے۔ چنانچہ یہ علم یقین کا فائدہ نہیں دیتا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ اور آپ کو کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہے، لیلۃ القدر تو ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے۔

ان آیتوں میں پہلے تو لیلۃ القدر جاننے کی نفی آئی اس کے بعد خود اس کا علم عطا فرمایا کہ یہ تو ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے جس میں فرشتے اور حضرت جبرائیل اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں اور یہ طلوع فجر تک رہتی ہے۔ یہاں بھی "اَدْرٰک" ارشاد فرمایا جو "درایۃ" سے ہے۔ گویا یہ ارشاد فرمایا گیا کہ آپ اپنے اندازے سے لیلۃ القدر کی فضیلت و اہمیت نہیں جان سکتے بلکہ آپ کا رب آپ کو بتاتا ہے کہ یہ ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ لفظ یقینی اور حتمی علم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس لیے یہ قرآن و حدیث میں کہیں

www.arshadjamalhamid.com
www.ahlehaqmedia.com

بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل نہیں۔ جیسا کہ امام اللغۃ امام راغب اصفہانی اپنی کتاب "المفردات" میں فرماتے ہیں۔ الدرایۃ "المعرفۃ المدرکۃ بضرب من الختل لا تستعمل فی اللہ تعالیٰ ...... درایۃ وہ پہچان ہے جس کا حصول و ادراک کسی طرح کے حیلے اور دھوکے سے ہو اور یہ لفظ علم الٰہی کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ اور امام اللغۃ محمد مرتضیٰ زبیدی اپنی تصنیف "تاج العروس" میں فرماتے ہیں کہ جامع شیخ کے علاوہ دوسروں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ "درایۃ" علم سے زیادہ خاص ہے اور یہی کتاب "التوشیح" وغیرہ میں بھی مذکور ہے بعض علماء نے فرمایا کہ "دریٰ" کا لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں پہلے شک ہو۔ یہ ابو علی کا قول ہے۔ یا دریٰ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی حیلے کے ذریعے علم حاصل کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دریٰ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔ اور بحث آیت "وما تدری نفس" کا مفہوم واضح ہو گیا کہ کوئی شخص پیشگی اندازے سے تخمینی طور پر یہ بات نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا یا اس کی موت کہاں واقع ہو گی۔ لیکن اللہ کے بتانے سے اس کے مقرب بندوں کو ان چیزوں کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے اور یہی بات آیت کریمہ کے آخری حصے اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ کے لفظ خبیر سے واضح ہے کیونکہ خبیر کے معنی خبر دینے والے کے بھی آتے ہیں جیسا کہ المفردات میں امام راغب اصفہانی ارشاد فرماتے ہیں۔ "وقیل خبیر بمعنی مخبر" اور کہا گیا ہے کہ خبیر "خبر دینے والے" کو کہتے ہیں۔

اب آپ کے سامنے مذکورہ پانچوں امور کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

قیامت کا علم اور اس کی تاریخ

مستقبل میں کسی امر کے وقوع کے علم کے لئے پانچ چیزوں کا پایا جانا ضروری

© www.arshadsaeedkazmi.com © www.kitabosunnat.com

ہے۔ ۱۔ وقت ۲۔ دن ۳۔ تاریخ ۴۔ مہینہ ۵۔ سن۔ جب تک ان پانچ چیزوں کے بارے میں مکمل طور پر بتلا نہ دیا جائے۔ اس وقت تک یہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ یہ امر کب واقع ہوگا۔

اس تمہید سے ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کے وقت کی اطلاع کس طرح دی ملاحظہ ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کی مکمل اطلاع دے دی۔ سرکار نے فرمایا صبح کا وقت ہوگا۔ جمعہ کا دن، دس تاریخ اور محرم کا مہینہ ہوگا۔ یعنی یوم عاشورہ میں جمعہ کے دن صبح کے وقت میں قیامت واقع ہوگی۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ رہا سن تو اس کے نہ بتلانے کی وجہ یہ نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہیں تھا بلکہ سن عیسوی جو کہ صرف عیسائیوں میں مروج تھا عرب میں رائج نہیں تھا۔ اور سن ہجری کے موجد تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں متعین فرمایا جیسا کہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۶ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اولیات عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس طرح رقمطراز ہیں۔ اول من کتب التاریخ من الھجرۃ۔ کہ حضرت عمر بن خطاب پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ہجرت کی تاریخ کو مقرر فرمایا۔ اگر کوئی شخص یوم عاشورہ کی حدیث کو غور سے پڑھنے کی کوشش کرے تو اس میں ہمارا موقف ثابت ہوتا ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کا علم اسی انداز سے بیان فرمایا جو عرب کا طریقہ تھا یعنی ایک واقعہ کے بعد دوسرے واقعہ کا ذکر فرمایا جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی

حضرت الظہر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان و بما ھو کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا (مشکوٰۃ ص ۳۹۰)

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نماز فجر پڑھا کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر ہم سے خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور پھر خطاب فرمایا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا پھر آپ نیچے تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس اثنا میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ بتا دیا۔ حضرت عمرو بن اخطب فرماتے ہیں ہم میں زیادہ علم والا وہی گردانا جاتا تھا جو سرکار کی بیان کردہ باتوں کو زیادہ یاد رکھنے والا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت تک کے تمام حالات کو واقعہ در واقعہ بیان فرمایا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حتی کہ حشر و نشر کے ساتھ تمام حالات بیان فرمائے جن کو کسی کا یاد رکھنا ممکن ہی نہیں تھا لیکن جب ان بیان کردہ واقعات میں سے جو بھی صحابہ کرام کے سامنے ظاہر ہوتا تب انھیں یاد آتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا۔

جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ قد علمہ اصحابی ھؤلاء وانہ لیکون منہ الشیء قد نسیتہ فاراہ فاذکرہ کما یذکر الرجل وجہ الرجل اذا غاب عنہ ثم اذا راٰہ عرفہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۰) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

ـــــ یعنی ایک ایک واقعہ کے ہر جزو اور ہر ذرہ کی تفصیل بیان فرمائی

© www.ahlesunnatbooks.com © www.barkaatbooks.com

نے اس مقام پر جس میں قیام فرمایا قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو بھی نہ چھوڑا مگر سب کچھ بیان کر دیا۔ یاد رکھا جس نے اس کو یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ پھر جب میں ان واقعات کو دیکھتا تو مجھے اس طرح یاد آتا جس طرح کہ کوئی مرد کسی کے چہرے کو یاد رکھتا ہے پھر وہ چہرہ اس سے غائب ہو جاتا ہے پھر بعد میں جب وہ اسے دیکھتا ہے تو اسے یاد آنے لگتا ہے کہ وہ فلاں ہے۔

قیامت سے بالکل قریب کے واقعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح ارشاد فرمائے کہ دجال نمودار ہوگا۔ پھر عیسیٰ ابن مریم کو اللہ تعالیٰ بھیجے گا پھر آپ اسے تلاش کر کے ہلاک کریں گے۔ نیز آپ لوگوں میں سات سال ٹھہریں گے کہ سب کے دل سے کینے صاف ہو جائے گا کہ دو آدمیوں کے درمیان بھی دشمنی نہ ہوگی۔ پھر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے ایک زمانہ بعد جب انسان کافر ہی ہونے لگیں گے تب اللہ تعالیٰ شام کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلائے گا کہ زمین پر کوئی ایمان والا باقی نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ کوئی ایمان والا وسط پہاڑ میں بھی ہوگا تو وہ ہوا اس تک بھی پہنچے گی۔ اور پھر صرف بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے۔ جو پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں کی طرح ہوں گے۔ نہ وہ کسی بھی بات کو اچھا سمجھیں گے اور نہ برائی کو برا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص [illegible])

قرآن مجید اور علمِ قیامت

تمام رسل عظام علیہم السلام کے لیے قیامت کا علم قرآن مجید سے ثابت ہے۔ سورۃ جن کی یہ آیتیں ملاحظہ ہوں۔ قُلْ إِنْ أَدْرِيٓ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُۥ رَبِّيٓ أَمَدًا ۝ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ٱرْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ۝ فرما دیجئے میں نہیں جانتا کہ قریب ہے

قیامت جس کا قرب وعدہ کیا جاتا ہے یا تیرے رب نے اس کی کوئی طویل مدت مقرر فرما دی ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر اس نے جنہیں پسند فرما لیا جو اس کے سب رسول ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہاں پہلے قیامت کے علم کی نفی ہے مگر اس کے فوراً بعد تمام رسولوں کے لئے علم غیب کا ثبوت ہے۔ اس موقع پر علماء حق نے فرمایا ان آیات کے نزول کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکمل علوم پر قیامت کا علم بھی عطا فرما دیا گیا ہے کیونکہ یہاں اولاً جس علم قیامت کی نفی کی گئی دوسری آیت میں اسی کو ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں ان ادری کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے اندازے سے قیامت کے قرب اور بعد کو معلوم نہیں کر سکتا ہے خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنے رسولوں کو غیب کی خبریں عطا فرماتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ مذکورہ بالا آیات میں اولاً علم قیامت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نفی فرمائی پھر علم غیب رسولوں کے لئے ثابت فرما کر یہ بات بتا دی کہ قیامت کے علاوہ باقی علوم رسولوں کو دیئے تو اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ یہ کہنا قطعاً درست نہیں کیونکہ پہلی آیت ان ادری (الآیۃ) میں اپنے اندازے سے قیامت کے جاننے کی نفی ہے جو کہ ادری کے لفظ سے واضح ہے۔ لیکن دوسری آیت کریمہ میں علم کے عطا فرمانے کا ذکر ہے چنانچہ بات واضح ہوگئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اندازے سے قیامت کا علم نہیں رکھتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے جانتے تھے۔

© www.arshadsaeedbooks.com
© www.hafizbukhari.com

مزید یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے سوائے قیامت کے علم کے باقی تمام چیزوں کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیا۔ یہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ سوال میں اس کا جواب موجود ہے۔ ملاحظہ ہو جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ قیامت کے ماسوا قیامت تک ہونے والے تمام امور کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی جو انتہا ہے وہیں سے قیامت کے دن کی ابتدا ہے۔ پس علم قیامت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ثابت ہوا۔

بارش کب برسے گی۔؟

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بارش کے برسنے کی خبر دی: ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور اس سال لوگ پھلوں کا رس نچوڑیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بارش کے متعلق کئی اطلاعات فرمائی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یاجوج ماجوج کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر مرنے کے بعد جب ان کے جسموں سے بدبو پھیلے گی اور اسی سے لوگ تنگ آنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ عنقا پرندوں کو بھیجے گا اور وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر لے جائیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے موسلا دھار بارش برسائی جائے گی جیسا کہ حدیث شریف میں اس طرح ہے۔ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ (مشکوٰۃ ص ۴۷۳) پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا کہ کوئی پکا مکان اور خیمے بغیر نہ روک سکے گا پس وہ بارش زمین کو دھو دے گی۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزِ محشر سے پہلے جس بارش ہونے کی اطلاع فرمائی کہ جب سب لوگ مر جائیں گے اور ان کے جسم مٹی میں ہوں گے تب اللہ تعالیٰ منی کی طرح پھوار برسائے گا تب لوگوں کے جسم زمین سے اُگیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۸۱)

موت کہاں واقع ہوگی؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دوران اپنے دوسرے قیدی ساتھی کی موت کی جگہ کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ۔ رہا دوسرا تو وہ سولی دیا جائے گا پرندے اس کے سر سے گوشت نوچ کر کھائیں گے۔ پس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص کی موت کی جگہ کا تعین فرما دیا تھا کہ صلیب پر اس کی موت واقع ہوگی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ بدر واقع ہونے سے پہلے وہاں لوگوں کے قتل ہونے کی جگہ کا تعین فرما دیا تھا جیسا کہ مسلم شریف میں ہے: قَالَ عُمَرُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالْأَمْسِ وَيَقُولُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَؤُوا الْحُدُوْدَ الَّتِي حَدَّهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ بدر سے ایک دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے قتل ہونے کی جگہیں ہمیں دکھا دیں۔ آپ فرماتے تھے کہ فلاں کل یہاں پر مرے گا۔ الخ

فلاں یہاں پہ۔ ان شاء اللہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حد بندی فرمائی تھی کوئی شخص اس سے ہٹ کر نہیں مرا۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک روز پہلے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ فلاں فلاں شخص نے قتل ہونا ہے اور یہ اس کی مقتل گاہ ہے۔

انسان کل کیا کرے گا؟

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جب اعمال قبیحہ سے باز نہ آئی اور آپ نے جان لیا کہ یہ اس گمراہی سے باز نہیں آئیں گے۔ تو ان کے اور ان کی اولاد کے متعلق رب کے حضور یوں عرض گزار ہوئے۔ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ اور نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب زمین پر بسنے والا کوئی کافر نہ چھوڑ۔ اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد تو بدکار اور شدید کافر ہی ہوگی۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو آئندہ کے حالات کا علم ہو گیا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ کل یہ لوگ کیا کریں گے بلکہ یہ بھی جان لیا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دے اور ان کی اولاد پیدا ہو تو وہ بھی کافر ہی ہوگی۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ کل یہ جھنڈا میں اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

قال يوم خيبر لأعطين هذه الراية غدا رجلا يفتح

اللہ علی یدیہ ۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ غزوۂ خیبر میں کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائے گا۔

سرکار دوعالم نے جھنڈا حضرت علی کو عطا فرمایا اور انہوں نے قلعے فتح فرمایا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان کیا کہ آئندہ حضرت علی کے ہاتھ پر فتح کی نوید عطاؤں کے لئے ہے۔

ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟

مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا فرقہ نہیں جو یہ کہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو بطن مادر میں موجود اولاد کا علم ہو سکتا ہے۔ مختلف فیہ اختلاف صرف یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کی اطلاع اپنے برگزیدہ بندوں کو دیتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی تب ان آیات کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ جن میں پروردگار عالم نے اپنے مقدس بندوں کو اس کا علم عطا فرمایا جیسا کہ ارشاد ہوا یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْيٰى (سورہ مریم پارہ ۱۶) کہ اے زکریا بیشک ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری سنائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت تو اس وقت نہ دی جب وہ ابھی بطن مادر میں جلوہ گر نہیں ہوئے تھے حالانکہ سوال تو ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں ہے تو اس بارے میں اتنا عرض کروں گا کہ قرآن مجید میں کہیں بھی یہ بات بالصراحت نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے کے وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام بطن مادر میں جلوہ گر نہیں تھے۔ بالفرض

اگر یہ مان بھی لیا جائے تب بھی اتنا پوچھتا ہوں کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام بطنِ مادر میں جلوہ گر ہو گئے تھے اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کو اس بات کا علم تھا یا نہیں کہ میرے ہاں اب ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ جب کہ اس کی اطلاع پیدائش سے قبل آپ کو مل چکی تھی۔

اور اسی طرح اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بتایا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (سورہ صافات آیت ۱۰۱) تو ہم نے ابراہیم کو علم والے لڑکے (اسمٰعیل) کی بشارت دی۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (سورہ مریم آیت ۱۹) جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے مریم! اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں ایک پاک بیٹا دوں۔

یہاں فرشتے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹے کی بشارت عطا فرمائی۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کبھی تو خود علم غیب عطا فرماتا ہے اور کبھی فرشتے کے ذریعے سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام الفضل سے فرمایا۔

رأیتِ خیرًا تلد فاطمة ان شاء الله غلامًا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۲)

آپ نے اچھا دیکھا، ان شاء اللہ (میری بیٹی) فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی پیدائش کی خبر عطا فرمائی ارشاد فرمایا ذُوْ بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ اُرَاهَا جَارِيَةً (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۴) جو میری بیوی اور آپ کی سوتیلی ماں خارجہ کے پیٹ میں ہے۔

میں نے کوئی جانتا ہوں۔

تیسرا مذہب

اس مذہب پر ہم گزشتہ صفحات میں سیر حاصل بحث کر چکے ہیں آپ سے گزارش ہے کہ ایک دفعہ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں

چوتھا مذہب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا گیا اس سلسلہ میں بے شمار حدیثیں ہیں جن میں سے چند کا ذکر مقدمہ میں کیا جا چکا ہے مزید اس سلسلہ میں اتنا عرض کر دینا کافی سمجھوں گا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علوم غیبیہ میں سے بعض علوم غیبیہ اپنے غلاموں کو بھی عطا فرمائے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کے علم سیکھے ایک تو (عبادات روایات) تمہارے سامنے بیان کر دیا لیکن دوسرا علم اگر میں ظاہر کروں تو میرا یہ گلا کاٹ ڈالا جائے گا۔

یہی وہ علم غیب ہے جس کا اظہار ہر شخص کے لیے مناسب نہیں بلکہ یہ خواص میں سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن مجید میں ہے۔ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر۔ "اگر میں غیب جانتا تو یقیناً بہت بھلائی جمع کر لیتا۔" جن لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بالکل علم غیب نہیں تو انہیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس خیر بھی نہیں کیونکہ آیت مذکورہ میں یہی کہا

گیا ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو خیر بھی جمع کر لیتا۔
دیکھنا یہ ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس خیر ہے تو غیب بھی ہوگا۔ اور اگر خیر نہیں تو غیب بھی نہیں۔ پس آپ حضرات خود غور فرمائیں کہ جب اس آیت سے غیب کی نفی کی تو گویا اللہ نے سرکار سے خیر کی نفی کر دی ہوگی اور یہ کتنا قبیح امر ہے کہ نبی سے خیر کی نفی کر دی جائے۔ جس نبی کے پاس خیر ہو وہ نبی نہیں۔ کیونکہ نبی تو جب کہلاتا ہے جو خیر ہی خیر ہے۔

اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں علم ذاتی کی نفی ہے۔ یعنی اگر میں خود سے غائب جانتا تو خیر بھی خود ہی جمع کر لیتا۔ مگر جس طرح خیر مجھے اللہ نے عطا فرمائی ہے اسی طرح غیب کا علم بھی اسی کی عطا ہے۔ نہ خیر از خود جمع کی اور نہ علم غیب کو از خود جانا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں خیر کی عطا کا ذکر یوں ملتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ ترجمہ: حکمت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے حکمت دی تو بے شک اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔

وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ۔ اور اگر وہ آپ کے لئے خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ اور بے شک ہر دم پچھلی (گھڑی) آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔

علم شعر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

دوران تحقیق کئی مرتبہ ذہن نے یہ سوچا کہ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میں ایک قطرہ تھا جو سمندر ہو گیا۔ جو تعریف میں خدا نے بزرگ و برتر کی ہیں

نے فقیر کی یہ مشکل بھی حل کی اور ایک نقطہ حکمت اور عطا فرمایا۔ ان کئی مقامات میں سے ایک مقام آیت کریمہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔ (اور ہم نے اپنے نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے) کا ہے۔ جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی تب معاً یہ خیال ذہن میں آیا کہ رب العالمین نے جو علم ایک ادنیٰ شاعر کو عطا فرمایا وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں نہ دیا۔؟ اور یہ بات یقیناً ہر شخص کے ذہن میں الجھتا ہوگا مگر تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید میں شعر کو کذب و افترا، اور شاعر، جھوٹے اور بے معنی کلام کرنے والے کو کہا گیا ہے۔ جیسا کہ عرب کا بھی قول ہے۔ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ۔ کہ بہترین شعر سب سے جھوٹا ہے۔ اگر سرکار سے اپنے شعر کہنے کی نفی کر دی جائے تو مقام نبوت بہ اسے لیے مزید واضح ہو جائے گا۔

مزید یہ کہ خیالات عرب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاعر کہتے ہوئے معاذ اللہ جھوٹا اور لا معنی کلام کرنے والا قرار دینے کی ناپاک کوشش کی، جیسا کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ان کے قول کو رد کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔ بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۔ (سورۃ انبیاء آیت ۵) بلکہ وہ کافر سے خیال یا تیں کریا پریشان خواب ہیں بلکہ انہیں اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ شاعر ہیں۔ نیز سورۃ الصافات میں ارشاد ہوا۔ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۔ (آیت ۳۶) اور کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ سکتے ہیں ایک شاعر دیوانے کی وجہ سے۔ سورۃ طور آیت ۳۰ میں ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۔ کیا منکرین کہتے ہیں، یہ شاعر ہیں ہمیں ان پر حوادثات زمانہ کا انتظار ہے۔

جب ان کافروں نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہہ کر بہ کو تہ ثبوت

© www.[illegible].com

© www.[illegible].com

کہ تو رب العالمین نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاعر ہونے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۝ (سورۃ الحاقہ) "بیشک یہ قرآن قول ہے رسول کریم کا اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں۔"

مزید ایسے شعراء کے بارے میں رب العالمین نے ارشاد فرمایا۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ (سورۃ الشعراء آیت ۲۲۴) "اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں" یعنی جو لوگ فقط شاعر ہوتے ہیں اور اپنی رطب و یابس کے ذریعے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اتباع تو فقط گمراہ ہی کرتے ہیں۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ یہاں پر شاعر سے وہی لوگ مراد لئے گئے ہیں جو اپنے اشعار میں کذب بیانی اور بیہودہ گوئی سے کام لیتے ہوں۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ایسے ہی اشعار کی نفی کی گئی ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کے ساتھ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ بھی ارشاد ہوا یعنی ہم نے اپنے نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کی شان کے لائق ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ یہاں دو امر سامنے آتے ہیں ایک تو شعر کا پڑھنا چاہے خود کا موزوں کیا ہوا ہو یا کسی اور کا۔ دوسرا اوزان اور ردیف و قافیہ وغیرہ کا فقط جاننا۔ یہاں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم شعر کے جاننے کی نفی نہیں کیونکہ کسی بھی چیز کا علم رکھنا برا نہیں۔ اور دوسری قرآن مجید میں کافروں کی جانب سے یہ اعتراض کیا گیا کہ (نعوذ باللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فقط شعر و شاعری کا علم حاصل ہے۔ اس لئے ہم ان کے کلام کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ بلکہ یوں کہا گیا کہ "یہ شاعر و شعر کہنے والے ہیں اس لئے ان کی باتیں قابل اعتبار نہیں" یعنی یہاں شعر گوئی عیب ہے شعر دانی عیب نہیں۔ اور جو چیز عیب ہے اسی کے متعلق فرمایا "وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" کہ یہ آپ کی شان کے لائق نہیں۔ اسی بنا پر علماء کا یہ نتیجہ ملتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سکے؟

نے کبھی کوئی شعر موزوں نہیں کیا نیز یہ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی دوسرے کا مکمل شعر صحیح وزن کے ساتھ نہیں پڑھا اور یہ ممکن ہے کہ علم عروض سے واقفیت کے بغیر موزوں شعر کہے جائیں جیسا کہ کئی لوگ اس علم کے ماہر ہوتے ہیں مگر ان سے کوئی شعر منقول نہیں ہوتا۔

عرض یہ کرنا ہے کہ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شعر گوئی صفاتی عیب شمار کیا گیا ہے۔ اشعار کے قافیے و ردیف کا جاننا عیب نہیں ہے۔ بس معلوم ہوا جو چیز عیب ہے وہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق نہیں اور جو شان کے لائق نہیں اسی کے سکھانے کی نفی آئی ہے۔ خصوصاً یہ آیت کریمہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ میں شعر کہنے کی نفی آئی ہے۔ علم عروض جاننے کی نفی نہیں۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عرب میں شعر جھوٹ اور خیالی گپ بندی کا نام تھا۔ اسی لئے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاعر کہہ کر طعنے دیتے تھے تاکہ آپ کی ذات والا صفات میں عیب لگایا جا سکے۔

بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کا جاننا عیب نہیں ہوتا بلکہ ان پر عمل کرنا عیب ہوتا ہے مثلاً ابلیس کا داؤ اور اس کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہونا عیب نہیں بلکہ اگر نہ جانے تو عیب ہے۔ اسی طرح جادو کا جاننا عیب نہیں جادو کرنا گناہ ہے۔

اگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اشعار کہتے اگرچہ ان کا مفہوم بالکل درست ہی کیوں نہ ہوتا مگر مخالفین کو طعنہ زنی اور عیب جوئی کا موقع مل جاتا اور قرآن مجید کے انکار کا بہانہ ہاتھ آ جاتا کہ یہ تو شاعر کا قول ہے کلام الٰہی نہیں۔

اسلامی شاعری

نعتیہ کلام بالخصوص حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلامی شاعری

۱؎ شعر و شاعری ص ۲۷

آپ کی جاہلیت کے دور کی شاعری سے بہت مختلف ہے کیونکہ دورِ جاہلیت کی شاعری تو کذب و افتراء پر مبنی تھی لیکن اسلام ایسی شاعری کی اجازت نہیں دیتا جب ہی تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعری کے متعلق یہاں تک کہا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے جاہلیت کے دور میں آپ کی شاعری شرپسند موضوعات میں بہت زوردار تھی، آپ اس وقت صدق و کذب کی تفریق کے بغیر جو کچھ جس طرح چاہتے کہا کرتے تھے لیکن اسلامی قیود لگنے کے بعد بس کا زور ٹوٹ گیا کیونکہ اسلام تو سچائی کی تعلیم دیتا ہے اور اسلامی قیود کے بعد پہلے کی طرح شعر کہنا ممکن نہ رہا تھا یعنی جو ابتداء میں کذب، فخر اور اشتعال پر مشتمل اور آگ لگانے والی تھی اس کی چمک ماند پڑ گئی، اور جو شاعری اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو اس میں کچھ حرج نہیں کیونکہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعری کے لئے اس طرح دعا فرمائی "اللھم ایدہ بروح القدس" اے اللہ تو جبرائیل امین کے ذریعے سے حسان بن ثابت کی مدد فرما۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شاعری دو قسم کی ہے ۱۔ وہ شاعری جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو ۲۔ وہ جس کی بنیاد سچائی پر ہو۔ جھوٹی شاعری کی مذمت قرآن و حدیث میں آئی ہے۔ اور اسی کے ساتھ کفار آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاعر کہنے کی کوشش کرتے رہتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ" یعنی کذب و افتراء پر مبنی اشعار جو کہ آپ کی شان کے لائق نہیں ان کا کہنا ہم نے آپ کو نہیں سکھایا، اور ایسے شاعروں کی مذمت میں رب العالمین نے فرمایا: "وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ" شعراء کی پیروی تو گمراہ ہی کرتے ہیں۔ رہی سچی شاعری تو اس کے بارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "ان اصدق کلمۃ قالھا الشاعر الا کل شیء ما خلا اللہ باطل" یعنی سب سے سچا کلمہ جو شاعر نے کہا کہ اللہ کے سوا ہر شے فانی ہے۔

نیز یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسان بن ثابت کی شاعری کیلئے دُعا فرما کر یہ بات واضح فرما دی کہ کچھ اشعار اچھے بھی ہوتے ہیں۔ مقام فکر یہ ہے کہ جن کی دُعا سے حضرت حسان بن ثابت کی شاعری میں برکت پیدا ہو گیا وہ خود اس سے محروم ہو سکتے ہیں اور یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہوگی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا خیر اور برکت کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس شاعری سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ناواقف تھے تب یہ لازم آئے گا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس خیر کی نفی ہو اور یہ ممکن نہیں کیونکہ ہر خیر پہلے نبی کے دامن میں ہے پھر بعد میں اُمت کے لئے خیر ہے۔

الحمد للہ! ہم نے مسئلہ علم غیب کو انتہائی مختصر انداز میں پیش کیا۔ رب العالمین سے دُعا ہے کہ اسے نافع خلائق بنائے اور فقیر کی مغفرت فرمائے آمین۔

سید ارشد سعید کاظمی

[illegible]
[illegible]